[illegible] کی صبح تھی۔ چوہدری محکوم اللہ معمول کے مطابق صبح پانچ بجے بیدار
[illegible] سے فارغ ہونے کے بعد اس نے وضو کیا۔ نماز کے لئے مسجد
[illegible] اپنی بیوی رحمت کو جگا دیا۔ پھر وہ گھر سے نکل آیا۔

[illegible] کی۔ ہر روز کی طرح اسے اس صبح بھی بہت قلق ہوا۔ دنیا نئی
[illegible] میں داخل ہونے والی ہے۔ مگر آدمی .... مسلمان کتنا پیچھے چلا
[illegible] صدی کی چھٹی دہائی یاد آئی' جب وہ دس سال کا تھا۔ اس
[illegible] وہ اسے صبح پانچ بجے جگا دیتے تھے۔ وہ بہت کڑھتا تھا.... برا مانتا تھا
[illegible] پوری نہیں کرنے دیتے۔ اس پر ابا کہتے ..... دیکھ محکوم اللہ' انسان کے
[illegible] پرندے بھی اسی وقت جاگتے ہیں اور اللہ کی حمد و ثنا کرتے
[illegible] میں نکلتے ہیں اور تو اور میں ہی نہیں' سب لوگ اسی وقت اٹھتے
[illegible] جاتے ہیں۔ پھر ناشتے کے بعد رزق کی جستجو کرتے ہیں۔ اسی لیے

[illegible] دیکھتے ہی دیکھتے گھروں کے دروازے کھلتے' لوگ ٹوپیاں سروں پر
[illegible] نظر آتے۔ ننھا چوہدری دل ہی دل میں آہ بھر کے رہ جاتا
[illegible] نماز پڑھ کر باہر آتا تو دکانیں کھلنے لگتیں۔ ابا کو پتا تھا کہ اسے
[illegible] چنانچہ وہ دودھ والے کی دکان سے دودھ' ڈبل روٹی اور مکھن
[illegible] چینی اور چائے کی پتی خریدتے' گھر پہنچتے پہنچتے چہل پہل شروع

[illegible] پر اب ایسا نہیں ہے۔ چوہدری نے سوچا اور ایک [illegible]
[illegible] نے قریب ہی سوئے ہوئے ایک کتے کو بے حد ڈسٹرب کیا۔ [illegible]
[illegible] پر بھونک کر صدائے احتجاج بلند کی' جیسے اس بات پر [illegible]
[illegible] کم نہیں مانا تھا۔ اس نے کتے کو ہنکارتے ہوئے کہا "تو [illegible]
بھونکتا ہے۔ چل' پڑا سوتا رہ جھوٹی ہڈی کھانے والے۔"

چوہدری محکوم اللہ کو افسوس ہوتا تھا کہ اکیسویں صدی [illegible]
ہونے سے پہلے ہی کتے اتنے بدقماش ہوگئے ہیں کہ جانے [illegible]
نہیں چوکتے۔ بلکہ موقع ملے تو کاٹ بھی لیتے ہیں۔ لیکن ان [illegible]
کو اپنے ہم جنسوں پر ہوتا تھا۔ صبح بیدار ہونے کے وقت [illegible]
ہے۔ گلیاں اور سڑکیں یوں سنسان ہوتی ہیں' جیسے یہ آدھی رات [illegible]
پہنچنے پر فجر کی نماز میں امام صاحب کے پیچھے چھ سے لے کر [illegible]
ہیں اور واپسی پر بھی یہی حال ہوتا ہے۔ سب دکانیں بند' گلیاں اور [illegible]
کہیں آدم نہ آدم زاد۔ ہاں کتے جاگ چکے ہوتے ہیں اور [illegible]
رہے ہوتے ہیں۔ جنہیں کچھ نہیں ملتا' وہ زور آور ہوں تو [illegible]
جیتی جاگتی ہڈی وصول کرنے کے چکر میں پڑ جاتے ہیں۔ انہیں [illegible]
ہوگیا ہے۔ دس بجے سے پہلے کسی کی صبح ہی نہیں ہوتی۔ [illegible]
حد ہے کہ گاڑیاں بھی نہیں چل رہی ہوتی ہیں۔ کیا [illegible]
راکٹ پر بیٹھ کر داخل ہو یا گدھا گاڑی پر' یہ طے ہے کہ اکیسویں [illegible]
ہزاریے میں یہ قوم سوتی ہوئی داخل ہوگی۔ اور اٹھے گی تو اس صدی [illegible]
کے بیس تیس سال ضرور گنوا چکی ہوگی۔

چوہدری محکوم اللہ نے اپنی گلی پار کی اور دوسری گلی میں داخل [illegible]
چلا تھا کہ اس کا جی خوش ہوگیا۔ ذرا آگے ایک دروازہ کھلا۔ [illegible]
لمحے وہ دروازے پر کھڑا کسی سے باتیں کرتا رہا۔ اتنی دیر میں چوہدری [illegible]
تھا۔ دروازہ بند ہونے کی آواز آئی اور باہر نکلنے والے نے اس طرف [illegible]
سے چوہدری آرہا تھا۔

[illegible] چوہدری نے اسے دیکھا اور پہچان لیا۔ پہچان کر اسے قدرے حیرت
[illegible] گلی میں رہنے والا نکما نوجوان افضال تھا۔ افضال کے باپ کا کہنا تھا
[illegible] بجے سے پہلے اٹھتا ہی نہیں ہے۔
[illegible] پانچ بجے صبح بیدار دیکھ کر چوہدری کو خوشی ہوئی۔ دل میں امید
[illegible] زندگی میں انقلاب بھی آسکتا ہے۔ لیکن نہ جانے کیوں افضال
[illegible] ایسا کہ اسے سلام کرنا بھی بھول گیا۔
[illegible] محکوم اللہ اس وقت امید کی خوشی سے سرشار تھا۔ اس نے خود
[illegible] نے سلام کا جواب دیا تو چوہدری نے کہا "بیٹے .... یہ تو حشمت
[illegible] کیسے؟"
[illegible] کی طبیعت خراب تھی انکل' میں ان کی مدد کے لیے آیا تھا
[illegible]
[illegible] مسلمان کو مسلمان کی عیادت کرنی چاہیے۔ جماعت نکلنے کا
[illegible] ابھی حشمت کی مزاج پرسی کرتا۔ خیر نماز کے بعد واپسی میں

[illegible] غضب نہ کرنا انکل!"
[illegible] افضال کی [illegible] خیزی کے کار عظیم کو سراہنے کے باوجود اس بات پر برا
[illegible] حکم ہے یہ تو۔"
[illegible] مطلب ہے انکل' کہ حشمت بھائی رات بھر درد سے تڑپتے رہے ہیں۔
[illegible] آپ جگائیں گے تو انہیں تکلیف ہوگی۔"
[illegible] ہے۔" چوہدری نے سر ہلا کر کہا۔ "عیادت کے نام پر تکلیف پہنچانا
[illegible]

[illegible] ہوں انکل!" افضال نے کہا اور اپنے گھر کی .... یعنی چوہدری کی گلی
[illegible]

[illegible] اپنی راہ پر چل دیا۔ مگر افضال کے معاملے میں کوئی خلش اسے ستا رہی
[illegible] اس کی سمجھ میں آگئی۔ سمجھنے میں دیر اس لیے لگی کہ وہ حشمت کی

بیماری میں الجھا ہوا تھا۔ بات یہ تھی کہ چوہدری کو یہ لفظ انکل
ماما' دادا اور نانا میں جو مٹھاس اور اپنائیت تھی' یہ اس سے
انکل کوئی کسی کو بھی کہہ دیتا تھا۔ اس خطاب کے لئے نہ عمر کی
مقام اور مرتبے کی اور نہ پیشے کی۔ ہر دکان دار انکل تھا' جمعدار
کا جوان بھی انکل تھا اور ۸۰ برس کا بوڑھا بھی انکل تھا اور اس
سے' کسی رشتے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

وہ مسجد پہنچا تو جماعت کھڑی ہونے والی تھی۔ اس
پڑھیں۔ سلام پھیرا تو جماعت کھڑی ہو رہی تھی۔ امام صاحب
اسے دن کی گزشتہ روز کی تقریر کا خیال آگیا۔ جمعے کی نماز
بہت ایمان افروز تقریر کی تھی' بہت روشن باتیں بتائی تھیں۔ اس
فیصلہ کیا تھا کہ ان باتوں پر عمل کرکے اپنی عاقبت سنوارے گا۔
بھول گیا۔ اب وہ انہیں یاد رکھے گا' کبھی نہیں بھولے گا اور
کوشش کرے گا۔

نماز کے بعد وہ باہر نکلا تو امام صاحب کی تقریر کے بارے
اسے خود پر افسوس ہو رہا تھا۔ ارے ایسی ایک تقریر تو آدمی کی
اور مجھے دیکھو کہ عہد کرکے بھول گیا۔ کچھ یاد ہی نہیں۔

ایسا نہیں کہ چوہدری محکوم اللہ کی یادداشت خراب ہو۔ اس
بات ریکارڈ ہو جاتی' کبھی نہیں مٹتی تھی۔ بس ایک خرابی تھی۔ اس
جدید کے ٹیپ ریکارڈ کی سی نہیں تھی۔ بلکہ وہ پرانے زمانے کے
جیسی تھی۔ اور دشواری یہ تھی کہ اس کی سوئی والے کریڈل میں
بھی کوئی بڑی نہیں تھی۔ بس وہ کریڈل خود کار بھی تھا اور خود
سے ریکارڈ پر کہیں بھی جا نکلتا اور ریکارڈنگ شروع ہو جاتی۔ اگر وہ
کے آغاز پر سوئی نکلے تو یہ ممکن نہ ہوتا۔ ہاں کبھی کریڈل کا موڈ ہو
اس بات سے چوہدری بہت پریشان تھا۔ وہ یاد کرنے کی کوشش کرتا
اسی لیے وہ مطلوبہ یاد کی سمری پر زور دیتا۔

امام صاحب کی تقریر کی بات اور تھی' وہ بہت اہم تھی۔ گھر جاتے ہوئے
کریڈل رکھا۔ سوئی کہیں درمیان میں ہی ٹکی۔ امام صاحب کی
میں گونجنے لگی" ..... اگر تمہارے پاس کچھ نہ ہو تو راہ میں پڑا کانٹا
وہ رکاوٹ دور کردو۔ یہ بھی صدقہ ہے اور اپنے بھائی کے
ایک بے غرض تبسم سے نواز دو۔ یہ بھی صدقہ ہے۔"
یہ تو بعد کی باتیں ہیں۔ پہلے کیا کہا تھا امام صاحب نے؟ مگر
تک ہی نہیں رہی تھی۔ چنانچہ وہ سمری کی طرف لپکا۔ امام
سارا زور نیکی پر تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ آدمی کو بے ساختہ اور
۔ وہ دکھاوا نہ ہو۔ اس کا مقصد لوگوں سے داد وصول کرنا'
ہو اور انہوں نے آخر میں کہا تھا کہ اگر پوری زندگی
صرف ایک نیکی بھی اللہ کو خوش کرنے والی ہو تو اس کے
دور ہو جاتے ہیں۔

چوہدری کو کچھ مطمئن کردیا۔ یہ ہوئی نا بات۔ اس نے دل میں
ارادہ کیا تھا کہ اب باقی زندگی ایسی ایک نیکی کی جستجو کرتا رہوں
منٹ بعد میں بھول گیا تھا۔ خیر..... اب نہیں بھولوں گا۔
سوار کرلوں گا۔

بے غرض نیکی کے تصور میں سرشار اپنے گھر کی طرف
وہ دوسرا راستہ اختیار کرتا تھا۔ چنانچہ اب وہ تیس فٹ
رہا تھا۔ اچانک اسے پوری سڑک پر خار دار جھاڑیاں بڑی ترتیب
کسی نے وہ جھاڑیاں دانستہ سڑک پر ترتیب سے پھیلائی تھیں۔
دامن ان میں الجھ سکتا تھا۔ خراش بھی لگ سکتی تھی اور پیروں میں

دل کی خواہش نے چوہدری کے دل کو گداز کردیا تھا۔ کانٹوں والی
کو ضرر پہنچنے کا تصور کرتے ہی اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ پھر
آیا' جنہوں نے خلق خدا کو ضرر پہنچانے کا یہ سامان کیا تھا۔

چلو، آدمی نیکی نہ کرے تو نہ کرے لیکن ایسی کھلی بدی سے تو [illegible]
میں اس کا دل خوش ہوگیا۔ راہ سے ایک کانٹا ہٹانا بھی بہت بڑی [illegible]
سینکڑوں کانٹوں والی نیکی نصیب ہو رہی تھی۔

چنانچہ چوہدری نے جھک کر وہ جھاڑیاں سمیٹنی شروع کر دیں۔ [illegible]
تک جھاڑیاں سمیٹنے میں کئی بار اس کے ہاتھوں میں کانٹے چبھے۔ ہر بار اس [illegible]
بچی اور خوب صورت خوشی کی ایک لہر ابھری۔ میری نیکی اور معتبر [illegible]

خار دار جھاڑیاں سمیٹ کر وہ سڑک سے ملحقہ گھر کی دیوار کے [illegible]
تھا کہ کسی نے اسے للکارا "او چاچا...... یہ کیا کر رہا ہے ؟"

سڑک پر کوئی اور موجود ہی نہیں تھا کہ چوہدری گمان کرتا [illegible]
رہا ہے۔ اس کا دل خوش ہوگیا۔ مدت کے بعد کسی نے چاچا [illegible]
خراب لہجے میں سہی، پکارا تو تھا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ ایک ادھیڑ عمر [illegible]
اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کی نظریں اور تیور بڑے خراب تھے۔ [illegible]
چوہدری نے نہایت حلیمی سے کہا "خدا کی اذیت کا سامان اور راہ کی [illegible]
رہا ہوں۔"

وہ شخص اب اس کے پاس آکھڑا ہوا تھا "خاک دور کر رہے [illegible]
موت کا سامان کر رہے ہو تم۔" اس نے بے حد خراب لہجے میں کہا۔

چوہدری بھونچکا سا رہ گیا۔ یہ تو اس کے خواب و خیال [illegible]
کہہ رہے ہو تم؟"

"نیچے تو دیکھو، شاید سمجھ میں آجائے کہ یہ کانٹے یہاں کیوں بچھا [illegible]

چوہدری نے دیکھا وہ ایک اسپیڈ بریکر تھا۔ مگر اس کی سمجھ میں [illegible]
"مجھے تو یہ بھی رکاوٹ لگ رہی ہے۔" اس نے کہا "اس سے کسی کو [illegible]
سکتی ہے۔"

اس شخص نے اسے یوں دیکھا جیسے اسے پرلے درجے کا جاہل [illegible]
اللہ کے بندے، کس دنیا میں رہتے ہو۔ اس سڑک پر چہل پہل رہتی [illegible]
کھیلتے ہیں اور گاڑی والے اندھا دھند گاڑی چلاتے ہیں۔ کبھی کسی کی جان [illegible]

[illegible] رفتار کم کرنے کے لئے کل یہ اسپیڈ بریکر بنایا ہے کے ایم سی

[illegible] انہوں نے بچھا دیے ؟"
[illegible] میں نے بچھائے ہیں نیکی سمجھ کر۔"
[illegible] لئے وہ مقام عبرت تھا۔ راہ میں کانٹے بچھانا بھی نیکی ہے ؟
[illegible] مصلحت ہے بھائی ؟" اس نے پوچھا۔
[illegible] ملامت بھری نظروں سے چوہدری کو دیکھا۔ "ابھی یہ اسپیڈ بریکر
[illegible] گاڑیاں گزریں یا لوگ ہی پاؤں رکھ کر گزریں تو یہ زمین سے
[illegible] تو اس کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ گاڑیاں پھر اسی طرح بے
[illegible] بچے زندگی سے محروم ہوتے رہیں گے۔ اس لئے میں نے
[illegible] جاتے ہی یہ کانٹے لا کر بچھا دیے۔ پھر میں چوکیداری کرتا رہا۔ وہ
[illegible] ہی نہیں آئی۔ میں یہاں اسی لئے چلا آیا کہ کوئی کانٹے نہ ہٹا
[illegible] ورنہ تم نے تو کام کر دیا تھا۔" اس کے لہجے میں بھی ملامت در

[illegible] میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ یہ شخص اس کی نیکی کو بدی بتائے دے
[illegible] "تم اس کی فکر میں رات بھر نہیں سوئے ؟" اس نے حیرت

[illegible] سے روٹھ گئی ہے" اس شخص نے کہا اور رونے لگا، پھر
[illegible] پہلے ایک بدمست گاڑی نے میرے بچے کو کچل دیا تھا۔ تب سے
[illegible] کہ کسی اور کے بچے کے ساتھ ایسا نہ ہو۔ میں اس اسپیڈ بریکر کو
[illegible] دوں گا۔" پھر وہ کانٹے اٹھا کر دوبارہ سڑک پر پھیلانے لگا۔
[illegible] شرمندگی سے برا حال تھا۔ واقعی یہاں تو کانٹے ڈالنا اور ان کی
[illegible] کام تھا۔ ان کانٹوں کو ہٹانا تو زیادتی تھی۔ "میں شرمندہ ہوں بھائی !"
[illegible] سے کہا اور دل گرفتہ سا آگے بڑھ گیا۔ چند قدم چل کر اسے خیال
[illegible] کانٹے بچھانے میں اس شخص کی مدد کر کے نیکی کمانی چاہیے تھی۔ اس نے

پلٹ کر دیکھا۔ وہ شخص کانٹے بچھا چکا تھا۔

چوہدری محکوم اللہ بے حد دل گرفتہ تھا۔ نیکی کا ارادہ کرنے کے بعد اس [illegible] کوشش ہی بری طرح ناکام ہوگئی تھی۔ اور وہ بھی صبح ہی صبح۔ اب پورا [illegible] گزرے گا۔ کچھ نہیں ...... اس نے بے پروائی سے سوچا۔ میں پورے [illegible] کرتا رہوں گا۔

وہ چند قدم چلا ہوگا کہ اسے دوسرا موقع مل گیا۔ سامنے سے ایک [illegible] آرہی تھی۔ اس کے قریب آکر اس نے اس کے سامنے ہاتھ [illegible] سیٹھ، مجھے کچھ دیتا جا۔"

چوہدری نے بے ساختہ جیب میں ہاتھ ڈالا۔ مگر جیب خالی تھی [illegible] سے نکالتے ہوئے اسے خیال آیا کہ نیکی تو وہ اب بھی کرسکتا ہے۔ چنانچہ وہ [illegible] نشین انداز میں مسکرایا۔

بھکارن اب بھی ہاتھ پھیلائے کھڑی تھی "سیٹھ ..... روپیا دو روپیا دے [illegible] اللہ کے نام پر" اس نے کہا۔ مگر جیب سے خالی ہاتھ باہر آتے دیکھ کر اس کا [illegible] گیا۔

"میں گھر سے نماز کے لئے نکلا تو خیال ہی نہیں آیا کہ جیب میں کچھ پیسے ڈال لوں۔" چوہدری نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔

بھکارن نے خالی ہاتھ کے بعد ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھی تو [illegible] تو مسکرا کیوں رہا ہے سیٹھ؟" اس نے چڑ کر پوچھا۔

"اس وقت تو میرے پاس یہی کچھ ہے صدقہ کرنے کے لئے۔" چوہدری نے بے حد خلوص سے کہا۔

"تو جیب سے خالی ہاتھ نکال کے اور مسکرا کے کیا کہنا چاہتا ہے۔ میں سب سمجھتی ہوں۔" بھکارن نے تیز لہجے میں کہا۔ "لیکن تو بوہنی والا ہے۔ دیکھ میرا پورا دن خراب ہو جائے گا۔ ایک روپیا ہی دے دے اللہ کے نام پر۔"

بھکارن تو اپنے تجربے کے مطابق سمجھ گئی تھی۔ لیکن چوہدری محکوم اللہ یہ نہیں سمجھا کہ بھکارن کیا کہہ رہی ہے۔ اس وقت تو وہ ایک بے غرض نیکی کرنا چاہتا

[illegible] اپنی جان بھی قربان کرسکتا تھا۔ دوسرے وہ خود دکان دار تھا۔ [illegible] سمجھتا تھا۔ چنانچہ اس نے اور زیادہ خلوص سے کہا۔ "جیب خالی [illegible] نہیں۔ گھر میں میرے پاس اللہ کا دیا بہت کچھ ہے تو میرے ساتھ گھر [illegible] کردوں گا۔ پورے دن تجھے کچھ مانگنے کی ضرورت نہیں پڑے گی

[illegible] بھکارن بری طرح بھڑک گئی "یہ مسکراہٹ تو صدقہ کر اپنی بیوی کو [illegible] گھر لے جاکر کسی رنڈی کو۔ میں ایسی ویسی نہیں۔ بھیک مانگتی [illegible] نہیں بیچتی اپنی۔ جا اپنا کام کر۔"

[illegible] گڑبڑا گیا۔ یہ تو اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ وہ صفائی پیش [illegible] ہیں۔ دیکھ میرے گھر میں بیوی ہے ..... بچے ہیں ....."

[illegible] سب یہی کہتے ہیں۔ مگر گھر چھڑوں کا نکلتا ہے۔ جا سیٹھ، رش [illegible] اور میری پھینٹی لگ جاتی۔ شکر کر کہ یہ سوفتے کا وقت ہے۔ [illegible] کہ سوتے ہوئے لوگ بھی گھروں سے نکل پڑیں

[illegible] کر گئے کوئی اور ہوتا تو، کانٹوں کی چوکیداری کرنے والا [illegible] ایک قبیح حرکت کرتے رنگے ہاتھوں پکڑ چکا تھا۔ اب وہ [illegible] میں اس کی بدنامی ہو جاتی۔ چنانچہ وہ دم دبا کر نکل لیا۔ [illegible] کی گالیوں اور کوسنوں کی آواز سنائی دیتی رہی۔

[illegible] مایوس تھا۔ پانچ منٹ کے اندر اس کی دو کوششیں ناکام ہوچکی [illegible] کے نتیجے میں تو عزت بھی بال بال بچی تھی۔ مولوی صاحب نے [illegible] کرنا آسان ہوتے ہوئے بھی آسان نہیں لیکن آدمی کو ہمت [illegible] انہوں نے فارسی کا ایک مصرع بھی پڑھا تھا..... ایں سعادت بزور

[illegible] محکوم اللہ نے فارسی نہیں پڑھی تھی۔ لیکن وہ فارسی کو اردو کی بہن [illegible] اس کی سمجھ میں خوب آتی تھی۔ اس نے اس مصرعے کا مطلب بھی

سمجھ لیا تھا۔ جس نیکی کے لئے زور بازو کی ضرورت پڑے' وہ نیکی نہیں' بلکہ نیستی ہے۔

انہی خیالوں میں غلطاں وہ دوسری گلی میں مڑا تو اس کا جی خوش ہوگیا۔ حشمت دودھ کی تھیلی لئے اپنے گھر کی طرف آرہا تھا۔ چلو ..... عیادت کی نیکی تو مل گئی۔ چوہدری نے سوچا۔ عیادت بھی بڑے اجر والا کام ہے۔ چنانچہ قریب آنے پر اس نے بڑے تپاک سے سلام کیا۔ سلام کا جواب ملتے ہی وہ شروع ہوگیا "اس ---- میں دودھ لانے کے لئے نکلنے کی کیا ضرورت تھی۔ میں تو تمہاری عیادت کے لئے آنے ہی والا تھا۔ مجھ سے کہہ دیتے' میں لادیتا۔ اب طبیعت کیسی ہے تمہاری ؟"

حشمت کے چہرے پر الجھن کا تاثر ابھرا "میری طبیعت تو ویسی ہی ہے' جیسی تھی۔ اور آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں' میری عیادت۔۔؟"

چوہدری نے اسے غور سے دیکھا۔ اس کا حال بہت برا تھا۔ آنکھیں سوجی ہوئی تھیں اور بند ہوئی جا رہی تھیں۔ ظاہر ہے' رات بھر کی تکلیف کے بعد آدمی سوئے ..... اور پھر اسے دودھ لانے کے لئے اٹھنا پڑے تو اور کیا ہوگا۔ اس کا دل افسوس اور محبت سے بھر گیا۔

"..... اور دودھ تو میں روز لے کر آتا ہوں ..... کام سے واپس آتے ہوئے" حشمت نے اپنا جملہ پورا کیا۔

"تم کام سے واپس آرہے ہو ؟" چوہدری نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں چوہدری صاحب۔ رات کی شفٹ ہے نا میری۔"

"پر آج تو چھٹی کی ہے نا تم نے ؟" چوہدری نے کہا۔ پھر پوچھا "بہت زیادہ طبیعت خراب ہوگئی تھی تمہاری ؟"

"یہ کس نے کہا آپ سے؟ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ؟"

"مجھے افضال نے بتایا تھا کہ تم رات بھر درد سے تڑپتے رہے ہو۔"

"کون افضال ؟" حشمت نے اسے گھورا۔

"وہ جوان لڑکا' جو ہماری گلی میں رہتا ہے۔ مرزا صاحب کا بیٹا !"

"تو اسے کیسے پتا چلا کہ میں بیمار ہوں اور کام پر جانے کی بجائے درد سے تڑپ

رہا تھا ؟" حشمت نے معترضانہ لہجے میں پوچھا۔

چوہدری کو یقین ہوگیا کہ حشمت بڑی اذیت میں رہا ہے۔ ایسے میں یادداشت پر برا اثر تو پڑتا ہے۔ وہ افضال کو بھی بھول گیا۔ سو چوہدری نے بے حد درگزر کرنے والے لہجے میں حشمت سے کہا "یاد نہیں' افضال تمہاری مدد کرنے کے لئے تمہارے گھر آیا ہوا تھا۔ تم درد سے تڑپ رہے تھے تو وہ تمہارے پاس بیٹھا تھا۔"

اچانک حشمت کا رنگ بدل گیا۔ آنکھیں پوری طرح کھل گئیں "افضال میرے گھر آیا ہوا تھا.... یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں ؟"

"میں نماز کے لئے جا رہا تھا اور وہ اسی وقت تمہارے گھر سے نکل رہا تھا۔ میرے پوچھنے پر اس نے مجھے بتایا کہ تم رات بھر درد سے تڑپتے رہے ہو۔"

"میں بالکل بیمار نہیں ہوں چوہدری صاحب۔ آپ گھر جاؤ' میں اس خبیث کو بھی دیکھ لوں گا اور اس کُٹنی کو بھی۔"

چوہدری کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ وہ آگے بڑھ گیا۔ اس وقت وہ ہاتھ مل رہا تھا کہ عیادت بھی نصیب نہیں ہوئی اور یہ الجھن الگ کہ یہ ماجرا کیا ہے اور خبیث کون ہے اور کُٹنی کون ہے۔ پیچھے گلی میں حشمت اپنے گھر کے دروازے کو یوں دھڑ دھڑا رہا تھا' جیسے توڑ ڈالے گا۔

چوہدری اپنی گلی میں داخل ہوا۔ اپنے گھر کے سامنے والے مکان سے اس نے لال دین کو نکلتے دیکھا۔ لال دین وہ شخص تھا جسے دیکھتے ہی چوہدری کو غصہ آجاتا تھا اور وہ اسے بکثرت دیکھنے پر مجبور تھا۔ اس غصے کی وجہ لال دین نہیں' اس کا مرغی خانہ تھا۔ لال دین کے پاس سامنے کے چار پلاٹ تھے۔ ان پر اس نے اپنے مکان کے ساتھ ہی مرغی خانہ بنا رکھا تھا۔ مرغیوں کی بدبو سے کوئی اور عاجز ہو نہ ہو' چوہدری بے حد نالاں تھا۔ اس نے سرتوڑ کوشش کی تھی کہ مرغی خانہ بند کرا دے لیکن اس مقصد میں اسے اب تک کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ الٹا ان کوششوں کی وجہ سے اس کے اور لال دین کے درمیان کشیدگی پیدا ہوگئی تھی جو کہ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

لال دین اسی وقت سو کر اٹھا تھا۔ کبھی وہ انگڑائی لیتا اور کبھی جماہی۔ چوہدری کو دیکھا تو اس کے چہرے پر کراہت آئی اور اس نے نتھنے سکیڑ کر یوں ظاہر کیا جیسے

اچانک بدبو آنے لگی ہو پھر اس نے ناک پر ہاتھ رکھ لیا۔ یہ چوہدری کے لئے اس کا روز کا معمول تھا۔ وہ شاید اسے سلام کے مترادف سمجھتا تھا۔

چوہدری کا بھی یہی خیال تھا۔ وہ کہتا تھا جیسی روح ویسے فرشتے۔ جو شخص پڑوسیوں کے حقوق پامال کرے گا' ان کی اذیت کا سامان کرے گا' اس کا سلام تو ایسا ہی ہوگا۔ چنانچہ وہ اس سلام کا جواب بھی ضرور دیتا تھا۔ وہ سوچتا تھا کہ لال دین چہرے پر کراہت کا تاثر لاکر' نتھنے سکیڑ کر اور منہ اور ناک پر ہاتھ رکھ کر گویا اسے اللہ کی رحمتوں سے نوازے جانے کی دعا کرتا ہے۔ سو وہ اس کا جواب عربی میں نہیں' بلکہ اردو میں دیتا تھا۔ چنانچہ اس روز بھی اس نے ہمیشہ کی طرح کہا "تجھ پر بھی اللہ کی رحمت ہو لال دین" اس طرح اس نے لال دین کی طرف سے زبردستی اللہ کی رحمت کی دعا وصول کرلی۔ مگر اس کا اگلا جملہ خاصا اشتعال انگیز تھا "اور سنا لال دین' تیری ناک تو لگتا ہے' ٹھیک ہوگئی ہے۔"

"ناک تو میری ہمیشہ سے ٹھیک ہے اللہ کے حکم سے" لال دین نے بڑے تحمل سے کہا۔ "اللہ کے حکم سے" اس کا تکیہ کلام تھا۔

"مگر اپنی مرغیوں کی بدبو تو تجھے آج آئی ہے"

"مرغیوں کی بدبو! میرا تو مچھلیوں کی بساند ..... بلکہ سڑاند سے دماغ پھٹا جارہا ہے" لال دین نے کہا۔

یہ چوہدری پر صاف صاف طنز تھا۔ کیونکہ چوہدری کی کلفٹن پر دکان تھی' جہاں وہ تلی ہوئی مچھلی بیچتا تھا۔ "اس کا مطلب ہے کہ تیری دور کی ناک تیز ہے۔ اور قریب کی ماؤف ہوچکی ہے" چوہدری نے بڑے رسان سے' عالمانہ شان سے کہا۔ کیونکہ لال دین کی جہالت اس پر اظہر من الشمس تھی۔ اس لیے تجھے اتنی دور پڑے سمندر سے مچھلیوں کی بساند تو آجاتی ہے' گھر میں موجود مرغیوں کی سڑاند کا پتا نہیں چلتا۔

"سمندر سے مچھلیوں کی بساند کبھی نہیں آتی دس جماعت پاس جاہل!" لال دین نے بے حد حقارت سے کہا "وہ تو باسی مچھلیوں سے آتی ہے۔ باسی مچھلیاں تلنے والوں کے جسموں سے آتی ہے اور ایسی آتی ہے کہ دماغ پھٹنے لگتا ہے اللہ کے حکم

سے۔"

یہ سن کر چوہدری مشتعل ہوگیا "گھر میں اسٹور کرنا تو کجا' میں تو گھر میں مچھلی بھی نہیں لاتا۔"

"سڑی بسی چیز نہ کوئی خود کھاتا ہے' نہ اپنے گھر والوں کو کھلاتا ہے اللہ کے حکم سے۔"

چوہدری نے اس جملے کو نظر انداز کیا اور اپنی بات جاری رکھی "میں تیری طرح نہیں ہوں کہ اپنا بدبو دار مرغی خانہ پورے محلے کے سر پر لاد رکھا ہے۔ تو پڑوسیوں کے لئے موذی ہے' موذی۔"

"بدبو دار مرغی خانہ!" لال دین نے برا ماننے کی اداکاری کی "میں ولایتی عطر کے ڈرم کے ڈرم لاتا ہوں۔ اس سے مرغی خانہ بھی دھوتا ہوں اور مرغیوں کو بھی نہلاتا ہوں۔ مجھ سے بدبو کی شکایت آج تک کسی نے نہیں کی۔ لیکن تیرے جسم کی بساند سے سب عاجز ہیں۔ لحاظ میں کچھ نہیں کہتے۔ جس روز تو لائف بوائے سے بھی نہالے تو محلے کے تمام چھوٹے بڑے' عورتیں اور مرد شکر کے نفل پڑھتے ہیں اللہ کے حکم سے۔"

چوہدری غصے میں آپے سے باہر ہوگیا "تیرا یہ مرغی خانہ غیر شرعی' غیر اخلاقی اور غیر قانونی ہے لال دین!"

"مجھے کبھی قانون نے بھی نہیں ٹوکا اس پر" لال دین نے فخر سے سینہ تان کر کہا "تو نے سب کچھ تو کرلیا۔ مجھے ایک نوٹس بھی نہیں ملا آج تک اللہ کے حکم سے تو محکوم ہے' محکوم ہی رہے گا۔"

"میں محکوم ہوں اللہ کا۔ محکوم اللہ میرا نام ہے۔ مگر میں تیرے باپ کی پیش بینی اور مردم شناسی کو سلام کرتا ہوں' جس نے تیرے پیدا ہوتے ہی بھانپ لیا کہ اس کے گھر ایک بے دین پیدا ہوگیا ہے۔ اسی لئے تیرا نام لال دین رکھا۔"

اب کے اشتعال لال دین کو آیا "کیوں ..... کیا خرابی ہے اس نام میں' اللہ کے حکم سے؟"

"میں نے کب کہا کہ خرابی ہے۔ میں تو تعریف کر رہا ہوں اس کی۔ تیرا نام سن

کر ہی پتا چل جاتا [illegible] کہ تو سرخا ہے...... کمیونسٹ ہے۔ سالے [illegible]

یہ سرخا' کمیونسٹ' دہریا۔ یہ لال دین کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ [illegible]
کر کہا "پھر بکنے لگا اول فول۔"

تیری صورت دیکھ کر لگتا ہے کہ ابھی تیری حاجت رفع نہیں ہوئی [illegible]
الخلا میں جا۔ وہاں بیٹھ کر سوچ کہ دین کبھی لال ہوا ہے ؟ یہ تو [illegible]
جاہل !" یہ مقطع پیش کرکے چوہدری تیزی سے اپنے گھر میں چلا گیا۔ [illegible]
اپنے گھر میں گھستے ہی بڑی سعادت مندی سے بیت الخلا کا رخ کیا۔

چوہدری اپنے گھر کے صحن میں چارپائی پر بیٹھ گیا۔ بیوی [illegible]
جی ؟" حالانکہ وہ جانتی تھی کہ ابھی چوہدری بیس منٹ تک [illegible] نہیں [illegible]

"ابھی رہنے دو۔" چوہدری نے نرم لہجے میں کہا۔

چوہدری بیٹھا لال دین اور اس کے مرغی خانے کے بارے میں [illegible]
اس بارے میں سوچتا تو اسے ہمیشہ غصہ آتا اور بے بسی کا احساس [illegible]
خداداد میں کس طرح کی دھاندلی ہے۔ ایک شخص سینہ تان کر [illegible]
مرغی خانہ چلا رہا ہے۔ کوئی اسے روکنے والا نہیں۔ ایک طرف انتظامیہ کی [illegible]
مستعدی کا یہ عالم ہے کہ شہر بھر کی بھینسیں لے جاکر لانڈھی کے [illegible]
اس جگہ کا نام رکھ دیا بھینس کالونی اور یہاں لال دین [illegible]
دل رہا ہے اور کوئی پوچھنے والا نہیں۔

چوہدری کو محلے کا خیال آتے ہی اہلیان محلہ پر غصہ آنے لگا [illegible]
نہیں کہہ رہا تھا۔ چوہدری نے مرغی خانے سے محلے کو نجات دلانے [illegible]
نہیں کیا تھا۔ وہ تھانے گیا۔ انہوں نے کہا' یہ انتظامی مسئلہ ہے [illegible]
کرو۔ وہ انتظامیہ کے پاس پہنچا۔ انہوں نے کہا...... اجتماعی درخواست [illegible]
شکایت نامے پر پورے محلے کے دستخط ہوں۔ چوہدری نے محلے کی [illegible]
طلب کیا۔ اجلاس میں چوہدری کے علاوہ محلے کا صرف ایک شخص [illegible]
کورم پورا نہ ہونے کی وجہ سے اجلاس ملتوی ہوگیا۔ پھر ستم یہ کہ [illegible]
"شرکا" نے چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے بتایا کہ دراصل وہ چوہدری [illegible]

[illegible] دیوار سے سر نہ پھوڑے۔

اس کوشش کے لئے چوہدری نے شکایتی درخواست تحریر کی۔ پھر وہ اس پر
[illegible] کے دستخط کرانے کے لئے نکلا۔ لیکن مذکورہ درخواست پر اس کے دستخط
[illegible] اور اس پر یہ عبرت ناک انکشاف ہوا کہ محلے میں کسی کو مرغی خانے
[illegible] کا علم ہی نہیں ہے۔ "کون سا مرغی خانہ' کہاں ہیں مرغیاں ؟"

"یہ لال دین کا گھر مرغی خانہ نہیں ہے ؟" چوہدری نے تپ کر کہا۔

[illegible] یہ ...... یہ تو لال دین کی پالتو مرغیاں ہیں۔"

"یہ پالتو مرغیاں ہیں ؟"

[illegible] جواب ملا۔ "یہ تو شوق ہے لال دین کا۔"

[illegible] مرغیوں کا شور پریشان نہیں کرتا ؟"

[illegible] مرغیوں کا شور ؟ ہمیں تو کوئی آواز سنائی نہیں دیتی۔"

[illegible] ہوگیا۔ وہ غلط کہہ گیا تھا۔ فارمی مرغیاں شور کہاں کرتی ہیں۔
[illegible] کو لال دین پچھواڑے کی طرف رکھتا تھا "تمہیں بدبو نہیں آتی
[illegible]

[illegible] "کہاں کی بدبو ؟"

[illegible] کے بعد چوہدری اپنی انفرادی شکایت بالائی سطح تک لے گیا اس کا
[illegible] انتظامیہ کی طرف سے ایک سات رکنی انسپکشن ٹیم لال دین کے
اس روز چوہدری بہت خوش تھا۔ وہ کام پر بھی نہیں گیا۔ اس نے سوچا تھا
[illegible] روانہ ہونے کے بعد چلا جائے گا۔

[illegible] انتظار کرتا رہا۔ دس بجے آنے والی سات رکنی ٹیم شام چھ بجے تک لال دین
[illegible] نہیں نکل پائی۔ چوہدری خوش اور مطمئن تھا کہ تفصیلی معائنہ کیا جا رہا
[illegible] لال دین کے گھر کی طرف سے چلنے والی ہوا اپنے ساتھ ایسی اشتہا انگیز
[illegible] تھی کہ اس کا دل گھبرانے لگا۔ پھر اس نے سوچا کہ شاید انسپکشن ٹیم
[illegible] کو تمام مرغیاں پکانے اور اس کے بعد مرغی خانہ بند کرنے کا حکم دے

ساڑھے چھ بجے ساتوں اراکین باہر آئے تو ان کے پیٹ ان کی [illegible]
پھولے ہوئے تھے۔ چہروں پر طمانیت تھی لیکن چوہدری نے اظہار [illegible]
رخی سے کہا کہ اپنی رپورٹ وہ متعلقہ افسر کو ہی دیں گے۔

اگلے روز چوہدری کمشنر کے آفس گیا تو کمشنر کے پی اے نے [illegible]
دکھا دی۔ رپورٹ میں لکھا تھا۔ "ہم نے نہایت تفصیلی معائنہ کیا۔ اس [illegible]
کمرشل مرغی خانہ نہیں ہے۔ وہاں صرف Pets ہیں۔ مختلف اقسام [illegible]
اور رہائشی علاقوں میں شوقیہ پرندے پالنے پر کوئی پابندی نہیں [illegible]
اراکین کے دستخط ثبت تھے۔

چند روز بعد قمر نے چوہدری کو لال دین کے سیٹ اپ کے بارے میں [illegible]
پتا چلا کہ لال دین تھانے سے لے کر انتظامیہ تک کو باقاعدہ [illegible]
ازیں وقت ضرورت متعلقہ لوگوں کو مفت دیسی مرغیاں فراہم کرتا [illegible]
اس نے اسی مقصد کے تحت رکھی ہیں۔ اور اس کی دیسی مرغیوں کے [illegible]
ڈسٹرکٹ میں دھوم مچی ہوئی ہے۔ اور جہاں تک محلے والوں کا تعلق [illegible]
ضرورت رعایتی نرخ پر مرغیاں حاصل ہو جاتی ہیں۔ ایسے میں کوئی لال دین کا [illegible]
بیکا نہیں کرسکتا۔

یہ سب یاد کرکے چوہدری کا خون کھولنے لگا۔ اس نے دہاڑ کر کہا "[illegible]
دو مجھے۔"

رحمت جانتی تھی کہ اب یہ مرحلہ آنے والا ہے' وہ اس [illegible]

[illegible] سونا نہیں چاہتی تھی۔ یہ سونے کا مناسب وقت تھا ہی نہیں۔ ابھی ذرا
[illegible] شوہر آجائے گا۔ وہ اس کے لئے چائے بنائے گی۔ ناشتا تیار کرے گی۔
[illegible] کر ناشتا کریں گے۔ پھر حشمت سو جائے گا۔ اور وہ بھی۔ وہی سونے
[illegible] ترین وقت ہوتا تھا۔ اور وہ خوب ڈٹ کر سوتی تھی۔ اکثر ایسا ہوتا کہ
[illegible] کرکے اٹھ جاتا۔ مگر زرینہ کی آنکھ نہ کھلتی۔ حشمت بڑے پیار
[illegible] ..... اٹھ جاؤ۔ میرا بھوک سے برا حال ہے۔"

[illegible] تو وہ بڑے پیار سے کہتا "تم تو ایسے سو رہی ہو' جیسے رات کی ڈیوٹی میں
[illegible] ہے۔"

[illegible] زرینہ گھبرا جاتی تھی۔ اسے لگتا کہ اس کا چور پکڑا گیا ہے۔ وہ بہت
[illegible] کو دیکھتی لیکن اس کی آنکھوں میں محبت کے سوا کچھ نہ ہوتا۔ تب وہ
[illegible] جاتی "ابولی تو میں بھی دیتی ہوں۔ تمہارے بغیر مجھے نیند کہاں آتی ہے" وہ
[illegible] تم سو جاتے ہو تو میں تمہیں دیکھتی رہتی ہوں۔ بور ہو جاتی
[illegible] نہیں ہوتا۔ تمہیں دیکھتے دیکھتے کبھی نیند بھی آجاتی ہے۔ تم رات
[illegible] چھوڑ دو نا" حالانکہ وہ ہرگز نہیں چاہتی تھی کہ حشمت رات کی ڈیوٹی

[illegible] چھوڑ دوں ؟ نوکری ہے۔ اس پر میرا اختیار تو نہیں ہے" حشمت افسردگی
[illegible] اس میں کچھ پیسے بھی زیادہ مل جاتے ہیں۔"

[illegible] زرینہ سے جاگا نہیں گیا' نیند پر اختیار ہی نہیں تھا۔ وہ گہری نیند سو گئی۔
[illegible] وہ خواب میں دیکھتی رہی۔ نہ جانے وہ کوئی شادی تھی یا کوئی اور
[illegible] کوئی زور زور سے ڈھول بجا رہا تھا۔ ڈھول اسے بہت اچھا لگتا تھا۔

لیکن یہ ڈھول بجانے والا بے سرا تھا۔ لہٰذا ڈھول کی آواز اسے [illegible]
تھی۔ شاید اسی ناگواری ہی کی وجہ سے اس کی نیند اچٹی۔ پھر اسے [illegible]
ڈھول کی آواز خواب میں نہیں بلکہ حقیقت میں سنائی دے رہی ہے۔ [illegible]
یہ احساس ہوا کہ وہ ڈھول نہیں' دروازہ پیٹے جانے کی آواز ہے۔ وہ گھبرا [illegible]
دروازے کی طرف لپکی۔ لگتا تھا دروازہ توڑ دیا جائے گا۔

اس نے جلدی جلدی آنکھیں ملیں اور دروازہ کھولا۔ حشمت [illegible]
لیے دروازے پر کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر غصے کا تاثر تھا اور آنکھوں [illegible]
پرچھائیاں لرز رہی تھیں۔ زرینہ نے بے حد مدھر آواز اور شیریں [illegible]
کیا۔

حشمت کا موڈ بہت خراب تھا۔ اس نے سلام کا جواب [illegible]
ابھی سوئی تھی کہ آنکھ نہیں کھل رہی تھی؟" حشمت نے بے حد خراب [illegible]
کہا۔

زرینہ گڑبڑا گئی "نن .... نہیں تو۔ میں تو باتھ روم میں تھی۔ مجبوری [illegible]
آنے میں دیر لگ گئی۔"

حشمت نے اسے غور سے دیکھا۔ "صورت سے تو لگتا ہے کہ تم [illegible]
تھیں؟"

"آدھی رات بھر جاگے اور نیند سے بے حال ہو تب بھی [illegible]
ہے' تم اندر تو آجاؤ۔"

حشمت کو احساس ہوا کہ وہ دروازے پر ہی کھڑا ہے۔ وہ اندر آگیا [illegible]
دروازہ بند کردیا۔ زرینہ نے اس کے ہاتھ سے دودھ کی تھیلی لی اور کچن کی [illegible]
"رکو .... کہاں جا رہی ہو؟" حشمت نے اسے ٹوکا۔

"ناشتا بنانا ہے نا؟"

"ہوتا رہے گا ناشتا۔ مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔"

"اچھا ..... دودھ چولھے پر رکھ کر آتی ہوں۔"

کچن کی طرف جاتے ہوئے زرینہ پریشانی سے سوچ رہی تھی۔ حشمت [illegible]

[illegible] اسے ڈر لگنے لگا۔ کہیں حشمت کو پتا تو نہیں چل گیا لیکن نہیں ....
[illegible] اچانک اس کے نیند میں سوئے ہوئے ذہن کو جھٹکا لگا۔ آج جب وہ
[illegible] کر رہی تھی تو اس کا چوہدری چاچا سے ٹکراؤ ہوگیا تھا۔ اسے پوری
[illegible] طور چوہدری چاچا نے لگائی بجھائی کی ہوگی۔ نہ جانے لوگوں کو دوسروں
[illegible] کرنے میں کیا مزہ آتا ہے۔ خیر.... وہ بھی دیکھ لے گی۔

[illegible] میں آئی تو حشمت چارپائی پر بیٹھا پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ "یہاں افضال
[illegible]" اس نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

[illegible] افضال؟ اور وہ کوئی بھی ہو' یہاں کیوں آنے لگا؟" زرینہ نے جارحانہ
[illegible]

[illegible] ہی پوچھ رہا ہوں؟" حشمت کے تیور بدستور خراب تھے۔

[illegible] میں کسی افضال کو جانتی ہی نہیں' پڑوس کی عورتوں کے سوا میں کس کو
[illegible]

[illegible] افضال سامنے والی گلی میں رہتا ہے۔ مرغی خانے کے ساتھ والے مکان
[illegible]

[illegible] والی گلی میں تو میں سوائے چوہدری چاچا کے کسی کو نہیں جانتی۔"

[illegible] چوہدری صاحب نے ہی مجھے بتایا ہے کہ آج صبح سوا پانچ بجے انہوں نے
[illegible] نکلتے دیکھا تھا۔"

"چوہدری چاچا نے کہا تھا ...." زرینہ نے ذہن پر زور دینے کی اداکاری کی۔ پھر
[illegible] کر بولی "ہاں .... آج چوہدری چاچا آیا تھا صبح پانچ بجے۔ خدا کی مار
[illegible] میں نے کبھی آپ سے اس کی شکایت نہیں کی۔ میں اس کی بڑی عزت
[illegible] وہ بہت کمینہ ہے۔ آج تو اس نے حد ہی کردی۔"

[illegible] میں نے پوچھا ہے کہ افضال یہاں کیوں آیا تھا تو چوہدری کے بارے
[illegible] گئی" حشمت تو تڑاخ پر اتر آیا "صاف بات بتا۔"

[illegible] کسی افضال کو جانتی ہی نہیں۔ میں کوئی باہر گھومتی' ملتی پھرتی ہوں
[illegible] تم خود سوچو' مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ افضال کون ہے' کیسا ہے؟

اس کی عمر کیا ہے؟"

"چوہدری چاچا نے خود افضال کو گھر سے نکلتے دیکھا تھا۔"

"جھوٹ بولتا ہے وہ لعنتی!" اب کے زرینہ نے غصے سے کہا "[illegible]
وہ خود یہاں آیا تھا۔ وہ اکثر یہاں آتا ہے فجر کے وقت۔ جانتا ہے کہ [illegible]
ہے۔ گلی میں کوئی ہوتا ہی نہیں۔ یہی موقع ہوتا ہے اس کے لیے۔"

"پر وہ یہاں کیوں آتا ہے؟"

زرینہ جواب دینے کے بجائے رونے لگی۔ وہ زار و قطار رو رہی تھی [illegible]
آنسو دیکھ کر حشمت کا دل موم ہوگیا۔ وہ اس کی پیٹھ تھپکنے لگا "تو رو [illegible]
دل کٹنے لگتا ہے۔ مجھے بتا تو سہی، بات کیا ہے؟"

"تم اتنے بھولے ہو کہ کچھ سمجھتے ہی نہیں" زرینہ [illegible]

"اور سمجھو گے تو میری بات کا یقین نہیں کرو گے۔"

"تو بتا تو سہی" اپنے بھولپن کا تذکرہ سن کر حشمت اور پگھل گیا۔

"چوہدری مجھ پر بری نظر رکھتا ہے۔ ہمیشہ مجھ سے کہتا ہے [illegible]
آنگن دیکھ کر میرا دل کڑھتا ہے۔ حشمت سے تجھے کچھ نہیں ملے گا [illegible]
کر دیکھ۔ تیرا آنگن پھولوں سے بھر جائے گا اور کسی کو پتا بھی نہیں چلے [illegible]
بھی نہیں، حشمت کو میں جانتا ہوں، وہ کسی قابل بھی نہیں۔ تو اس کے [illegible]
رہی ہے۔ یہ اجر کا کام ہے۔ اس لئے تیرا گناہ بھی اللہ [illegible]
بس ایک بار ہاں کردے اور آج تو اس نے میرا ہاتھ بھی پکڑ لیا [illegible]
میں نے کہا، شور مچا دوں گی۔ تب چھوڑا اس کمینے نے۔"

"یقین نہیں آتا" حشمت نے لرزیدہ آواز میں کہا "میں [illegible]
چوہدری چاچا کو۔"

زرینہ پھر رونے لگی "میں نے پہلے ہی کہا تھا، تم یقین نہیں کرو گے [illegible]
تو پہلے نہیں بتایا تم کو۔ اپنا شوہر ہی اعتبار نہ کرے تو۔"

حشمت نے اس کا ہاتھ تھام لیا "مجھے تم پر اعتبار ہے لیکن [illegible]
ہے۔ خیر تم یہ بتاؤ، تم نے کیا کہا؟"

[illegible] بھی بات کہتی تھی۔ میں کہتی تھی، میرا حشمت دنیا کا سب سے کڑیل
[illegible] اس کے ہوتے ہوئے مجھے کسی کی طرف دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں۔"
[illegible] معصومیت سے کہا۔" اور بچے تو اللہ کی دین ہوتے ہیں۔ جب اللہ
[illegible] دل جائیں گے۔ مجھے بچوں کی خواہش اپنے مرد کی محبت اور عزت سے
[illegible] میں یونہی بہت مطمئن اور خوش ہوں۔"

[illegible] کے قصیدے نے حشمت کو جیلی بنا کر رکھ دیا۔ اس نے زرینہ کو
[illegible] سالے ...... کو تو میں ابھی دیکھتا ہوں" اس نے موٹی سی گالی دے
[illegible] ساتھ چلو۔"

"[illegible] تم مرد ہو۔ پر ٹھنڈے دماغ سے کام لو" زرینہ نے اس سے اور لپٹتے
[illegible] سے کہا۔

"[illegible]؟"

[illegible] میں تو منہ در منہ بات کرنے والی ہوں۔ سچی ہوں، ڈرے وہ جو
[illegible] تند لہجے میں کہا۔ پھر لہجہ نرم کرتے ہوئے بولی "بات ہے تمہاری
[illegible] عزت بھی تمہارے ساتھ ہے۔ ایسی باتیں عام ہو جائیں، سارے
[illegible] بے عزتی ہماری بھی ہے۔ بس تم ایک کام کرو، مجھ پر کبھی شک

[illegible] نہیں کیا۔ اب یہ تو چوہدری جیسے بندے کی بات تھی۔"
[illegible] کرو گے۔"

[illegible] میں اسے چھوڑوں گا نہیں۔ میں اسے بتاؤں گا کہ مجھ پر اس کی حقیقت
[illegible] لیکن میں اس کا پردہ رکھ رہا ہوں۔"

[illegible] میں بھی چلتی ہوں تمہارے ساتھ" زرینہ نے کہا۔ لیکن دل ہی دل
[illegible] تھی کہ کہیں سچ مچ ہی سامنا کرنا نہ پڑ جائے۔

[illegible] کی ضرورت نہیں۔ میں مرد ہوں، ان معاملات سے نمٹنا میرا کام ہے۔"

[illegible] لگا تو زرینہ نے کہا "ناشتا تو کرتے جاؤ۔"

[illegible] تیار کرو، واپس آ کر تمہارے ساتھ ناشتا کروں گا۔"

چوہدری کے گھر کی طرف جاتے ہوئے حشمت کو یہ سوچ …
کہ چوہدری جیسا دین دار آدمی بھی یہ سب کچھ کرسکتا ہے۔ مگر …
میں اسے اس بات کے سچ ہونے پر معمولی سا شبہ تھا۔ شاید اسی لیے اس …
صاحب کو چیک کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے دستک دی۔ مرزا صاحب …
نے ان سے کہا "ذرا افضال کو بلا دیجئے۔"

"وہ تو سو رہا ہے۔" مرزا صاحب نے جواب دیا۔

"سو رہا ہے؟" حشمت کے دل میں کوئی شک پھنکارا۔

"کوئی نئی بات نہیں" مرزا صاحب نے بے زاری سے کہا …
دوپہر تک پڑا سوتا رہتا ہے مردود۔ برسوں کا معمول ہے اس کا …
ہی ہیں۔ کام کے نہ کاج کے، دشمن اناج کے۔"

حشمت کو برسوں کا یہ معمول سن کر اطمینان ہوگیا۔ وہ مرزا اور اس …
کے گھر کی طرف رخ کرکے آواز لگائی "محکوم اللہ ..... باہر آؤ ذرا۔"

ناشتہ کرتے ہوئے چوہدری نے وہ پکار سنی تو اس کی آنکھیں …
سے کسی نے اسے اس طرح نہیں پکارا تھا۔ ابا مرحوم ہی اس طرح …
دوسروں کے لئے تو وہ چوہدری تھا۔ اور یہ چوہدری کا لاحقہ …
کہ وہ چوہدری برادری سے تعلق رکھتا ہو، عام طور پر لوگوں سے اس …
ہوتا تھا۔ صرف محکوم کہا جاتا تو اس کی تیوریاں چڑھ جاتیں۔ وہ کسی …
صرف اللہ کا محکوم تھا۔ کسی نے تنگ آکر اسے چوہدری کہنا شروع کیا …
چوہدری کہنے لگے۔

سو اس وقت محکوم اللہ کی پکار پر اسے ابا مرحوم یاد آگئے۔ …
مرحوم تو جنت مکانی ہوچکے۔ یہ اس طرح سے پکارنے والا کون ہوسکتا …
پہچانی لگی تھی۔ اس کے اپنے بچوں میں سے کوئی اٹھا ہوا نہیں تھا۔ …
چھوڑ کر دروازے پر گیا۔ حشمت کو دیکھ کر وہ کھل اٹھا "ارے حشمت …

… کیا ہوگیا؟"

"… طبیعت تو ٹھیک تھی۔ میں تمہاری طبیعت ٹھیک کرنے آیا ہوں" حشمت
نے غصے سے کہا۔

چوہدری کی سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ بات کرنے کا کون سا طریقہ ہے۔ لیکن اس
… کچھ نہیں کہا کہ حشمت ابھی بیماری سے اٹھا ہے۔ کون جانے، اب بھی
اس کی طبیعت ٹھیک نہ ہو۔ اس نے بے حد خلوص سے کہا "تم نے کیوں زحمت کی،
مجھے بلا لیا ہوتا۔"

"بلا لیتا ہوں، تم تو میرے گھر میں گھسنے کا بہانہ تلاش کر رہے ہو" حشمت نے کہا
"میں تو دو ٹوک بات کرنے آیا ہوں محکوم اللہ۔ اور تم ہو تو اسی قابل لیکن پھر
بھی گھر والوں کے سامنے تمہاری بے عزتی نہیں کرنا چاہتا۔ اب یہ بتاؤ، بات
اندر کرنا چاہتے ہو یا نہیں؟"

چوہدری کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کیا ہورہا ہے۔ لیکن حشمت کے تیور
خراب لگ رہے تھے۔ بات تو پتا نہیں کیا تھی لیکن ہوگی کوئی بری ہی بات
"اندر چلے چلو لیکن میں تمہارا بزرگ ہوں، تمہیں مجھ سے اس طرح بات
… آؤ۔"

"مجھے تو پورے محلے کو جمع کرکے سب کے سامنے بات کرنی چاہیے۔" حشمت
نے گھر میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"بیٹھو!" چوہدری نے چارپائی کی طرف اشارہ کیا "چائے پیو گے یا ناشتا کرو
گے؟"

"محکوم اللہ" تو مجھے تمہارا خون پینا چاہیے اور تمہارے ٹوٹے کر دینے چاہئیں"
حشمت نے بیٹھتے ہوئے کہا "لیکن میں نہ کچھ پیوں گا اور نہ کچھ کروں گا، بس تم میری
بات سن لو۔"

چوہدری کو غصہ تو بہت آیا لیکن گھر آئے مہمان سے بات کرنے کے بھی
آداب ہوتے ہیں۔ وہ نیکی کے تصور میں ڈوبا ہوا تھا۔ اور اللہ کو ناراض نہیں کرنا چاہتا
تھا۔ اس نے بے حد تحمل سے کہا "مجھے یہ تو بتاؤ کہ میں نے ایسا کیا کر دیا

ہے؟"

"تم نے میری بیوی پر بہتان لگایا ہے؟" حشمت نے تند [illegible]

رحمت آنگن میں بیٹھی کپڑے دھو رہی تھی۔ اس بات پر [illegible]
طرف متوجہ ہوگئی۔

چوہدری اب تک یہ یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ [illegible]
نے کب اور کیا زیادتی کی ہے لیکن یہ سن کر وہ حیران رہ گیا۔ یہ تو اس [illegible]
گمان میں بھی نہیں تھا۔

"میں نے تمہاری بیوی پر بہتان لگایا؟ کب؟" اس نے ہراساں [illegible]
نے کہا تم سے؟"

"کسی نے نہیں۔ خود تم نے کہا ہے مجھ سے۔ تم [illegible] بہتان لگایا [illegible]
معصوم بیوی پر۔"

"میں نے ...... کب؟" چوہدری کی حیرت کی کوئی حد نہیں تھی۔

"آج صبح، جب تم نماز پڑھ کر آ رہے تھے۔"

"مم .... مجھے تو یاد نہیں۔"

"تم نے نہیں کہا تھا کہ تم نے سوا پانچ بجے صبح افضال کو [illegible]
دیکھا تھا؟"

"ہاں، کہا تھا اور افضال کو دیکھا ہی نہیں تھا اس سے [illegible]
اس میں بہتان لگانے کی کون سی بات ہے؟" چوہدری کی سمجھ میں اب [illegible]
آرہا تھا۔

"معصوم نہ بنو محکوم اللہ۔ اتنی صبح کو میرے گھر سے کوئی جوان [illegible]
عبادت کرکے تو نہیں نکلے گا۔ وہ میرا گھر ہے، کوئی مسجد نہیں ہے اور [illegible]
ہے؟"

"مگر وہ تو تمہاری عیادت کے لئے، تکلیف میں تمہارا ساتھ [illegible]
تمہارے گھر گیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ تم ساری رات درد سے [illegible]
ابھی سوئے ہو۔"

[illegible] میں تھا ہی نہیں۔ کیسا درد، کیسی تکلیف۔ میں جب تم سے ملا تو
[illegible] کرکے آرہا تھا۔"

[illegible] بڑی توجہ سے ہر بات سن رہی تھی۔ لیکن چوہدری کو اس کی
[illegible] نہیں تھا۔ اس پر افتاد ہی ایسی پڑی تھی۔ حشمت کی یہ بات سن
[illegible] اس نے تاسف سے کہا "یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔"

[illegible]" حشمت نے کہا "بہتان تو تم نے لگایا ہے۔"

[illegible] بہتان لگاؤں گا۔ میں نے تو اسے کبھی دیکھا بھی نہیں۔"

[illegible] بولتے ہو محکوم۔ میری بیوی نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔"

[illegible]؟" چوہدری نے بلبلا کر پوچھا۔

[illegible] پھنسانا چاہتے ہو۔ روز فجر کی نماز کے لئے جاتے ہوئے تم
[illegible] رکتے ہو اور اسے ورغلاتے ہو۔ تم اسے کہتے ہو کہ میں بچہ پیدا
[illegible] نہیں ہوں۔ وہ نیک نہ ہوتی تو تم اسے پھنسا لیتے۔ وہ نہیں پھنسی تو
[illegible] لگا دیا۔ میں تمہیں بہت اچھا سمجھتا تھا محکوم۔ تم بہت کمینے نکلے،
[illegible]"

[illegible] دوران میں اپنے ہاتھوں سے اپنے دونوں رخسار پیٹتا رہا۔ "یہ
[illegible] کہا ہے تم سے؟"

[illegible] محلے کے سامنے کہنے کے لئے بھی تیار ہے۔"

[illegible] .... جو عورت اپنے خاوند سے اس طرح کا جھوٹ بول سکتی ہے، وہ
[illegible] سامنے بھی یہ سب کچھ کہہ سکتی ہے۔" چوہدری نے دل میں سوچا
[illegible]

[illegible] نہیں جھٹلا سکتا اور وہ افضال بھی اسے ہی جھٹلا دے گا۔ اب کیا ہوگا،
[illegible] مشکل میں پھنس گیا۔ کیا ہونے والا ہے؟

[illegible] نہیں ہوا۔ اس کی مشکل آسان ہوگئی۔ حشمت اٹھ کھڑا ہوا "دیکھو
[illegible] چاہیے کہ تمام محلے والوں کے سامنے تمہارے کرتوت بیان کیے
[illegible] تمہاری عزت کرتا تھا۔ اس لیے تمہیں چھوڑ رہا ہوں لیکن اب اگر

میں نے تمہیں اپنی گلی سے بھی گزرتے دیکھا تو مجھ سے برا کوئی نہیں [illegible]

چوہدری نے دل میں قسم کھائی کہ اب وہ اس گلی سے بھی [illegible]

بلکہ اس کے بس میں ہوا تو کبھی کسی بھی گلی سے نہیں گزرے گا۔ [illegible]

چلا کہ کب حشمت گھر سے چلا گیا۔ وہ تو اس وقت چونکا جب [illegible]

"ناشتا تو پورا کرلو۔"

چوہدری نے سر اٹھا کر بیوی کو دیکھا۔ پہلی بار اسے احساس [illegible]

بھی سب کچھ سن لیا ہے۔ اب تو اس کی شرمندگی کی کوئی حد [illegible]

کہ آدمی بغیر گناہ کیے بھی شرمندہ ہو جاتا ہے "بس کر چکا ناشتا۔ اب [illegible]

رحمت نے ناشتا یوں اٹھایا' جیسے شوہر کے گناہوں کا بوجھ [illegible]

میں جانے سے پہلے اس نے چوہدری سے پوچھا۔ "کیوں [illegible]

؟"

چوہدری نے بے دھیانی سے اسے دیکھا اور بولا "نہیں تو [illegible]

تو تم کیسے ہو سکتی ہو؟" پھر چونک کر پوچھا "یہ تم کیوں پوچھ رہی ہو؟"

"کچھ نہیں' یونہی۔" رحمت ٹرے لے کر کچن کی طرف چل [illegible]

پلٹی اور بولی "گھر میں ہی کھایا پیا کرو۔ باہر کا کھاؤ گے تو ہاضمہ [illegible]

وہ کچن میں چلی گئی۔

چوہدری دل ہی دل میں جل بھن کر رہ گیا۔ بیوی [illegible]

اس کی عاقبت کا تذکرہ کر رہی ہو۔ اور وہ اس کی گرفت بھی نہیں [illegible]

میں بھی عزت گئی بلاوجہ۔ اس نے سوچا۔

اب وہ کڑھ رہا تھا' یہ کیسی مشکل ہے۔ اس نے [illegible]

کوشش کی تو اس کے حصے میں بہتان کا گناہ آیا اور بے عزتی الگ [illegible]

حشمت نے محلے والوں کے سامنے فساد نہیں مچایا۔ ورنہ وہ اس [illegible]

سامنے کبھی نظر نہیں اٹھا پاتا۔

رحمت کچن سے نکل آئی اور اس کے پاس کھڑی ہو گئی "[illegible]

کہوں؟"

[illegible] نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولا "اب کیا

[illegible]

[illegible] کیوں ناراض ہوتے ہو؟ میں نے تو کچھ نہیں کہا۔"

[illegible] نے بڑی مشکل سے لہجہ نرم کیا "بات کیا ہے؟"

[illegible] کی نماز گھر میں ہی پڑھ لیا کرو۔"

[illegible] مارے چوہدری کے سر کے بال کھڑے ہو گئے۔ پہلے کہا..... گھر میں ہی

[illegible] اب کہہ رہی ہے' نماز بھی گھر میں پڑھ لیا کرو۔ "بکواس مت کرو" وہ

[illegible]

[illegible] ہی بھلے کو کہہ رہی ہوں" رحمت نے تنگ کر کہا "اتنے سویرے

[illegible] مردوں کا نکلنا ٹھیک نہیں' عزت بڑی چیز ہوتی ہے۔"

"[illegible] نماز سے بڑی چیز نہیں ہوتی عزت" چوہدری بولا۔ "دیکھ نیک بخت'

[illegible] سے سات آٹھ آدمی ہوتے ہیں۔ سب یہی سوچنے لگیں تو وہاں

[illegible] رہ جائیں گے۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ سب لوگ فجر کی نماز کے لئے

[illegible] سنسان ہوں اور نہ کسی پر تہمت لگے۔"

[illegible] آگے تم جانو" رحمت نے کہا اور کمرے میں چلی گئی تاکہ

چوہدری کو غصہ تو بہت شدید آیا تھا۔ رحمت کے انداز سے

[illegible] مجرم سمجھ رہی ہے۔ لیکن پھٹ پڑنے سے پہلے ہی چوہدری کو

[illegible] بہت بری چیز ہے۔ اسے پینے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس نے اٹھ کر پانی

[illegible] کی کڑوی زہریلی گولی کو حلق سے اتار لیا۔

[illegible] خیال آیا کہ ان نحوستوں میں وہ یہ بھول گیا کہ اسے قرآن پاک کی

[illegible] وہ اٹھا اور اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

○

[illegible] نے گزشتہ روز قرآن پاک ختم کیا تھا۔ اس روز دوبارہ شروع کیا تو اس

[illegible] میکنزم کا سوئی بردار کریڈل یادداشت کے گراموفون ریکارڈ کے ابتدائی

حصے پر گرا۔ اسے سب کچھ یاد آنے لگا۔

مولوی صاحب نے تقریر سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات کے حوالے سے ہی شروع کی تھی۔ انہوں نے کہا تھا ..... "اس پہلے رکوع کو غور سے پڑھو، پڑھو اور غور کرو۔ اللہ فرماتا ہے کہ بے شک یہ اللہ کی کتاب ہے۔ ہدایت ہے ان کے لئے جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔ تو اللہ سے نہیں ڈرو گے تو تمہیں اس سے ہدایت نہیں مل سکتی اور اللہ سے اس وقت تک نہیں ڈر سکتے۔ جب تک کہ اسے سمجھو گے نہیں، پہچانو گے نہیں۔ آگے اللہ فرماتا ہے کہ جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں، بغیر دیکھے، جو نماز قائم کرتے ہیں۔ اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے خرچ کرتے ہیں۔ جو قرآن پر اور اس سے پہلے نازل ہونے والی کتابوں پر یقین رکھتے ہیں اور جو آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں۔

"اب سوچو تو یہ سب آپس میں مربوط ہے" مولوی صاحب نے کہا تھا "آخرت پر یقین بہت اہم ہے۔ آخرت پر مکمل یقین رکھو گے تو اللہ سے ڈرے بغیر رہ ہی نہیں سکتے۔ تو پھر قرآن سے ہدایت بھی ملے گی ورنہ پڑھتے رہو، سمجھو گے کچھ بھی نہیں۔ اور اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے خرچ کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ اپنے لیے پانچ ہزار کی قمیص خریدلی۔ یا اونچا محل بنوالیا۔ اس کا مطلب ہے، اللہ کی خوشی کے لئے اپنے رشتے داروں، پڑوسیوں اور ان تمام مسلمانوں کی مدد کرنا جو ضرورت مند ہوں۔ اس کی وضاحت آگے بھی کئی مقامات پر کی گئی ہے۔ یتیموں، مسکینوں، قیدیوں اور بھوکوں کو کھانا کھلانا بھی اللہ کو خوش کرتا ہے۔ کوئی قرض دار ہو تو اس کی گردن چھڑانا بھی نیکی ہے۔ یہ ہے اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے خرچ کرنا۔

"اور یہ نہ سمجھو کہ ایمان لے آئے تو بخشش ہوگئی۔ قرآن پاک میں جہاں بھی ایمان لانے کا تذکرہ ہے، وہاں نیک عمل کی شرط بھی ہے۔ متعدد مقامات پر اللہ نے فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے، انہیں جنت کی بشارت دے دو۔ گویا نیک اعمال سے تجدید اور قیام ایمان ہے اور نیک اعمال کی وضاحت قرآن پاک میں جابجا موجود ہے۔ سچی گواہی دو، حق کو نہ چھپاؤ۔ انصاف سے کام لو۔ جہاد کرو، برائی سے روکو۔ بیماریوں کی عیادت کرو۔ لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ استطاعت نہ رکھتے ہو تو اپنے بھائی کی راہ سے کانٹے، پتھر رکاوٹیں ہٹا دو۔ اپنے پریشان

حال بھائیوں کے لیے مسکرا دو۔ دوسروں کے لئے وہی پسند کرو، جو اپنے لیے پسند ہو۔ اپنی ناپسندیدہ چیز دوسروں پر تھوپنا نیکی نہیں، پڑوسیوں کا خیال رکھو۔ پڑوسیوں کو تم سے تکلیف نہ پہنچے۔ پہنچے گی تو تم مومن نہیں ہوسکتے۔"

پھر مولانا نے کہا تھا کہ نیکی کا حسن نیت کی پاکیزگی میں ہے۔ اسے بے غرض ہونا چاہیے۔ بلکہ وہ بے ساختہ ہو تو زیادہ بہتر ہے۔ آدمی صرف اللہ کو خوش اور راضی کرنے کے لئے نیکی کرے۔ دکھاوے کی نیکی کا صلہ تو آدمی انسانوں سے ہی وصول کرلیتا ہے۔ نیکی کے ساتھ پبلسٹی کو شامل نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کو تو وہ نیکی پسند ہے، جس کے متعلق نیکی کرنے والے اور جس کے ساتھ نیکی کی جا رہی ہو، اس کے سوا کسی تیسرے فرد کو علم نہ ہو۔ نیکی کرتے وقت صلے کا تصور جتنا دھندلا ہو، اتنا ہی بہتر ہے۔

وہ تقریر سنتے ہوئے چوہدری نے سوچا تھا کہ نیکی کرنا تو بہت آسان ہے۔ کیونکہ اللہ نے انسان کی فطرت میں نیکی رکھی ہے۔ البتہ خود کو ٹٹولنے پر اسے احساس ہوا کہ دکھاوا بہرحال سرزد ہو جاتا ہے اور یوں نیکی خالص نہیں رہتی۔ مگر آدمی ارادہ کرلے تو یہ خرابی دور ہوسکتی ہے۔ مولوی صاحب نے کہا تھا کہ اگر تمام زندگی میں انسان کی ایک بھی نیکی اللہ کو خوش کردے تو اس کے دونوں جہان کے دلدر دور ہو جائیں۔

یہ سن کر چوہدری نے اپنے دونوں جہان کے دلدر دور کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ اس نے سوچا تھا، وہ ایسی ایک نیکی ضرور کرے گا لیکن پھر پورے دن اسے اس بات کا خیال نہیں آیا۔ وہ دنیا کے دھندوں میں پھنس گیا تھا۔ اور آج فجر کے وقت اسے یاد آیا تو اس نے سوچ لیا کہ اب وہ یہ بات نہیں بھولے گا۔ اس وقت سے اب تک وہ ایسی تین شاندار لیکن ناکام کوششیں کرچکا تھا۔ سڑک سنسان تھی۔ دیکھنے والا کوئی نہیں تھا۔ لہٰذا پبلسٹی کا بھی کوئی سوال نہیں تھا۔ اس نے خلق خدا کی راہ سے کانٹے ہٹانے کی نیکی کی۔ تو پتا چلا کہ وہ بدی کر رہا تھا۔ پھر اس نے اللہ کی ایک بندی کو جیب خالی ہونے کی وجہ سے تبسم کا صدقہ دینے کی کوشش کی تو وہ اسی کے گلے پڑنے لگی۔ لوگوں کی چہل پہل ہوتی اور پبلسٹی کے لیے سازگار وقت ہوتا تو وہ محلے میں بدنام ہو جاتا۔ ایسی منفی پبلسٹی! پھر اس نے عیادت کی نیکی کمانے کی کوشش کی تو تہمت کا گناہ

اور اپنے لیے بدکرداری کا الزام کمالیا۔

چوہدری نے قرآن پاک کو چوما' آنکھوں سے لگایا' جزدان میں رکھا اور الماری میں رکھ دیا۔ اب وہ سوچ رہا تھا۔ اس کے تازہ ترین تجربات بتا رہے تھے کہ نیکی کرنا بہت دشوار ہے۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ وہ ایک نیک انسان ہے۔ لہٰذا اس کا دل اس بات کو قبول نہیں کر رہا تھا۔ نیکی دشوار کیسے ہوسکتی ہے۔ پھر اس کے ذہن میں ایک دلیل آئی۔ اگر ایک نیکی سے دونوں جہان کے دلدر دور ہوسکتے ہیں تو وہ نیکی آسان تو نہیں ہوگی۔ دنیا کی زندگی تو پوری کی پوری آزمائش ہے۔ ایسی ایک نیکی اتنی آسان ہو تو آزمائش کا تو تصور ہی گیا۔ نہیں ایک ایسی نیکی تو مشکل ہی ہوگی۔

بہرحال چوہدری نے یہ ارادہ کرلیا کہ اب ایسی ایک نیکی کیے بغیر وہ چین سے نہیں بیٹھے گا۔ کامیابی تک وہ اور کسی چیز کے بارے میں نہیں سوچے گا۔ اسے ایسی ایک نیکی کرنی ہے۔ اور وہ کرکے رہے گا۔ وہ نیکیوں کے کنوئیں میں ڈول ڈالتا رہے گا' جب تک کہ اس کے ڈول میں ایک خالص نیکی نہیں آجاتی۔

چوہدری محکوم اللہ کی عیادت کرنا خاص طور پر بہت پسند تھا۔ کچھ اس لیے کہ یہ نبی کریم کی سنت تھی اور کچھ اس لیے کہ یہ آسان بہت تھا۔ خوش قسمتی سے اس کا آسان ہونا اس پر ثابت ہوچکا تھا اور وہ عیادت کے صحیح مفہوم سے واقف تھا۔ اسے وہ واقعہ یاد آگیا' جب عیادت کی روح کو اس نے سمجھا تھا۔

○

چوہدری محکوم اللہ اس روز حافظ بشیر احمد صاحب کی عیادت کے لیے ان کے گھر گیا تھا۔ چند روز پہلے حافظ صاحب کو دل کا شدید دورہ پڑا تھا۔ اللہ نے ان پر کرم فرمایا تھا اور گزشتہ روز ہی وہ اسپتال سے رخصت ہوکر گھر آئے تھے۔ وہ بہت کمزور ہوگئے تھے۔ بلند فشار خون کے مریض وہ پہلے ہی سے تھے۔

چوہدری ان کی عیادت کے لیے گیا تو وہ ایک اوسط سائز کے کمرے میں بیڈ پر گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے ہوئے نیم دراز تھے اور کمرا عیادت کرنے والوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ پہلے آنے والے صوفوں اور کرسیوں پر قابض ہوچکے تھے۔ بعد میں آنے والے فرش پر بچھے ہوئے پلاسٹک پر ٹھسے ہوئے نہایت بے آرامی سے بیٹھے تھے۔ اس صورت حال کو دیکھ کر چوہدری کو اپنے عرصہ گمراہی کے وہ دن یاد آگئے' جب وی سی آر نیا نیا آیا تھا اور عام لوگوں کی دسترس میں نہیں تھا۔ کاروباری لوگوں نے وی سی آر رنگین ٹی وی خریدے' رہائشی علاقوں میں مکان کرائے پر لیے اور انہیں سینما ہاؤس کے طور پر استعمال کرنے لگے۔ باہر ان کا ایک آدمی کھڑا ہوکر آوازیں لگاتا تھا...... ہاں بھئی' دلیپ کمار کی فلم آدمی' دس روپے .... دس روپے .... اور شائقین دس روپے تھما کر اندر گھستے تھے۔ اندر یہ حال ہوتا تھا کہ تل دھرنے کی جگہ نہیں ہوتی تھی۔ بعض لوگ دروازے پر کھڑے ہوکر فلم دیکھنے پر مجبور ہوتے تھے۔

تو اس روز حافظ صاحب کے کمرے میں عیادت کرنے والوں کا ہجوم دیکھ کر چوہدری کو وہ دن یاد آئے اور اس کی آنکھیں خوشی کے آنسوؤں سے اور دل امید سے بھر گیا کہ نیکی کے لئے بھی اتنا ہجوم ہوسکتا ہے۔ بمشکل جگہ بنا کر وہ حافظ صاحب تک پہنچا اور ان کی مزاج پرسی کی "حافظ صاحب' اب طبیعت کیسی ہے آپ کی؟؟"

حافظ صاحب نے عجیب سے یاس انگیز لہجے میں کہا "ابھی [illegible]
آگے کی اللہ جانے۔ آپ تشریف رکھیے نا۔"

چوہدری بمشکل وہاں بیٹھ گیا۔ حافظ صاحب کے بڑے بیٹے [illegible]
"کھانا لاؤں آپ کے لیے؟"

چوہدری نے قدرے حیرت سے اسے دیکھا "نہیں بیٹے۔ [illegible]
"تو چائے لیں گے یا ٹھنڈا؟"

اب چوہدری کو بہت ناگوار گزرا۔ اس نے کہا "بیٹے..... [illegible]
عیادت کے لئے آیا ہوں۔"

"وہ تو یہ سب لوگ بھی آئے ہیں" حافظ صاحب [illegible]
کہا۔

وہاں موجود تمام لوگ دو دو تین تین کی ٹکڑیوں میں آپس میں [illegible]
مصروف تھے۔ کہیں سیاست چل رہی تھی، کہیں حالات حاضرہ اور کہیں [illegible]
مسائل پر گفتگو ہو رہی تھی۔ کچھ لوگ وقتاً فوقتاً کسی کی [illegible]
حادثے کا آنکھوں دیکھا حال سنا رہے تھے۔ حاضرین میں حافظ [illegible]
اور احباب بھی تھے اور پڑوسی بھی۔

"میاں، حافظ صاحب پر اللہ نے کرم فرمایا۔ ورنہ ایسے ہی [illegible]
کا تو دل پھٹ گیا تھا۔" کسی نے کہا۔

"یہ تو اللہ کا کرم ہوا" کوئی اور بولا "ورنہ اکرم صاحب [illegible]
تھے کہ ان کا پورا جسم اینٹھ گیا تھا۔ ہاتھ پاؤں اور ہونٹ نیلے پڑ گئے تھے۔"

"یہ تو نمونیے کی علامت ہے" ایک اور صاحب نے اعتراض کیا [illegible]
میں ایسا نہیں ہوتا۔"

جس پر اعتراض کیا گیا تھا، اس نے تپ کر کہا "وہ گرمی [illegible]
میں نمونیا نہیں ہوتا۔"

"نمونیا گرمی میں بھی ہو جاتا ہے" اعتراض کرنے والے [illegible]
کہا۔

[illegible] ڈاکٹر نے دل کا مرض تشخیص کیا تھا۔"
[illegible] دل کے ڈاکٹر کچھ بھی کر سکتے ہیں۔"
[illegible] زور دار بحث چھڑنے والی تھی کہ تیسرے صاحب کی مداخلت پر روک
[illegible] ڈاکٹروں کا کیا ہے جی، میرے سامنے کی بات ہے۔ دل کے ایک مریض کا
[illegible] ڈاکٹروں نے آپریشن تھیٹر میں لے جا کر اس کا پتا نکال دیا۔"
[illegible] آدمی کی ٹانگ پر بس گر گئی تھی ..." حاضرین میں سے ایک اور شخص
[illegible]

[illegible] پر بس!" کسی نے حیرت سے دہرایا۔
[illegible] اللہ کا فضل تھا کہ باقی جسم محفوظ رہا۔ بہرحال ٹانگ کا تو سرمہ بن
[illegible] کو وہ ٹانگ کاٹ کر جسم سے علیحدہ کرنی تھی اور جانتے ہیں کہ کیا
[illegible] دوسری ٹانگ کاٹ دی۔ کہتے تھے کہ اس سے پورے جسم میں زہر
[illegible]"

[illegible] واقعات سن سن کر چوہدری کی اپنی حالت غیر ہونے لگی۔ وہ سوچ رہا
[illegible] صاحب کا کیا ہوگا۔ دل کا معاملہ ہے اور ابھی وہ پوری طرح صحت یاب
[illegible] اس نے حافظ صاحب کی طرف دیکھا۔ ان کا چہرہ سرخ ہو رہا
[illegible] پہلو بدل رہے تھے۔ ان کے چھوٹے بھائی جو بیڈ پر ان کے ساتھ بیٹھے
[illegible] سہلا رہے تھے۔
[illegible] صاحب "آپ آرام سے لیٹ جائیں نا" حافظ صاحب کے چھوٹے بھائی
[illegible]

[illegible] لوگوں کی موجودگی میں اچھا نہیں لگتا" حافظ صاحب نے جواب دیا۔ ان
[illegible] اور لہجے سے تکلیف مترشح تھی۔
[illegible] آپ اندر چلے چلئے۔ آرام کر لیجئے تھوڑی دیر۔"
[illegible] صاحب اٹھ رہے تھے کہ عیادت کرنے والوں میں سے ایک نے جلدی
[illegible] کرتے ہیں امیر بھائی۔ اتنے لوگ اتنی محبت سے عیادت کے لئے آئے
[illegible] آپ حافظ صاحب کو اندر لے جا رہے ہیں۔"

ڈاکٹر نے بھائی صاحب کو سختی سے آرام کے لئے کہا ہے۔" امیر صاحب نے کہا۔

"تو یہاں آرام ہی تو کر رہے ہیں حافظ صاحب!" ایک اور عیادت کرنے والا بولا۔

"اور کیا۔ ہم لوگوں کی موجودگی سے دل ہی بہلے گا حافظ صاحب کا۔" دوسروں نے فیصلہ سنایا۔

اب کے حافظ صاحب بیٹھ گئے لیکن ان کے چہرے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ تکلیف محسوس کر رہے ہیں۔ پہلو بدلنے سے ان کے ہائی بلڈ پریشر کا اندازہ ہو رہا تھا۔

پانچ منٹ بعد ایک اور صاحب آئے۔ وہ بھی حافظ صاحب تک پہنچنے کی جدوجہد کر رہے تھے۔ راستے میں ان کی نظر فرش پر بیٹھے ہوئے ایک صاحب پر پڑی۔ وہ حافظ صاحب کو بھول گئے اور لپک کر بولے "آغا صاحب بھی موجود ہیں۔ بھئی کیسے ہیں آپ؟"

"الحمد للہ، ٹھیک ہوں" آغا صاحب نے کہا۔

نووارد نے گرم جوشی سے آغا صاحب سے مصافحہ کیا "اب تو برسوں میں ملاقات ہوتی ہے۔"

"زندگی اتنی مصروف ہوگئی ہے کہ اب تو عیادتوں، جنازوں یا شادیوں میں ہی ملنا ہوتا ہے" آغا صاحب بولے۔

"میں ذرا حافظ صاحب کی مزاج پرسی کرلوں پھر سکون سے بیٹھ کر بات کریں گے۔ بہت باتیں کرنی ہیں آپ سے" نووارد پھر حافظ صاحب کی طرف بڑھنے لگے۔

چوہدری کو وہاں بیٹھے بیس منٹ ہو چکے تھے۔ اسے خیال تھا کہ اور عیادت کرنے والے بھی آئیں گے۔ جگہ خالی کرنی چاہیے۔ دوسرے لوگ تو یوں جمے بیٹھے تھے، جیسے رات کا کھانا ہی کھا کر اٹھیں گے۔ چوہدری اٹھ جانا چاہتا تھا۔ لیکن وہاں سے نکلنا آسان نہیں تھا۔ طبعاً" وہ شرمیلا تھا۔ نمایاں نہیں ہونا چاہتا تھا۔ عیادت کے جوش میں جیسے تیسے وہ یہاں تک پہنچ گیا تھا لیکن جانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

پھر دروازہ کھلا اور ایک جوان لڑکے کا خوب صورت چہرہ نظر آیا۔ اس کے ہاتھ

میں ایک گلدستہ تھا۔ اس نے بھرے ہوئے کمرے کو گہری نظر سے دیکھا اور بلند آواز میں السلام علیکم کہا۔ کچھ لوگوں نے جواب دیا۔ کچھ کو اپنی باتوں میں پتا ہی نہیں چلا کہ سلام کیا گیا ہے۔

امیر صاحب اس لڑکے کو دیکھ کر کھل اٹھے "آؤ بیٹے ابرار، کیسے ہو؟"

"ٹھیک ہوں چچا میاں۔ تایا ابا کی طبیعت اب کیسی ہے؟" لڑکے نے دروازے پر کھڑے کھڑے پوچھا۔

"اب تو میں بہتر ہوں" حافظ صاحب نے خود ہی جواب دیا۔ آواز کی کمزوری کے باوجود ان کے لہجے میں لڑکے لیے محبت اور شفقت تھی۔

"اللہ کا شکر ہے تایا ابا۔ میں آپ کے لیے پھول لایا ہوں" لڑکے نے گلدستہ دروازے کے قریب بیٹھے ہوئے ایک شخص کو دیا "یہ تایا ابا کو پہنچا دیجئے۔"

گلدستہ ہاتھوں ہاتھ حافظ صاحب تک پہنچا۔ انہوں نے پھولوں کو سونگھا۔ پہلی بار ان کے چہرے پر خوشی اور طمانیت نظر آئی "اندر تو آؤ بیٹے۔ ذرا دیر بیٹھو۔"

"نہیں تایا ابا، میں دراصل یہ کہنے آیا تھا کہ کوئی ضرورت ہو، کوئی کام ہو تو مجھے کہلوا دیجئے گا، میں حاضر ہو جاؤں گا۔"

"جیتے رہو بیٹے" حافظ صاحب نے کہا۔

لڑکا چلا گیا۔ حاضرین میں سے ایک نے کہا "یہ حافظ صاحب کا سگا بھتیجا ہے۔"

"کتنا قریبی رشتہ اور عیادت کا یہ انداز!" کسی نے طنزاً" کہا۔ "تایا کے پاس آنا بھی گوارا نہیں ہوا بھتیجے سے۔"

"آج کل کے جوانوں کو عیادت کرنی آتی ہی کہاں ہے" کوئی اور بولا "بس پھول لے آئے، پھولوں سے کیا ہوتا ہے میاں!"

یہ سنتے سنتے حافظ صاحب کا چہرہ کرب میں ڈوب گیا "خدا کے لیے ایسی باتیں نہ کریں" انہوں نے کرب آمیز لہجے میں کہا "یہ میرا بھتیجا بہت محبت کرتا ہے مجھ سے۔ جان چھڑکتا ہے مجھ پر۔ یہ تین رات اسپتال میں میرے ساتھ رہا۔ ایک منٹ کے لئے بھی نہیں سویا۔"

ادھر امیر صاحب کو بھی غصہ آگیا۔ انہوں نے کہا "اور آپ لوگوں کو تو عیادت

کے آداب بہت آتے ہیں۔ آپ سے تو وہ لڑکا ہی اچھا کہ تعلق خاطر [illegible]
اور ہمدردی کا احساس دلا کر چلا گیا، بوجھ نہیں بنا اور خود کو دیکھیں، [illegible]
کا، اس کی تکلیف کا آپ کو خیال نہیں۔ اس کے سر پر بیٹھ کر [illegible]
کرتے ہیں۔ خوف ناک قصے دہراتے ہیں۔ دل جوئی نہیں کرتے، [illegible]
بنتے ہیں۔ بھائی، عیادت کا مقصد دل جوئی کرنا، مریض کو احساس [illegible]
اکیلا نہیں ہے۔ سب اس کے ساتھ ہیں۔ عیادت کا مقصد مریض کو [illegible]
محروم کرنا نہیں، مریض پر بوجھ بننا نہیں ہوتا۔ یہاں تو مہمان داری [illegible]
ہو رہا ہے، چائے آرہی ہے، جیسے کوئی خوشی کی تقریب ہو....."

اس دوران میں خاصی بڑی تعداد میں لوگ اٹھ کر کھڑے [illegible]
مان کر جا رہے تھے "کیا زمانہ ہے بھئی" کسی نے کہا "نیکی کر [illegible]"

"ہم یہاں کھانے پینے تو نہیں آئے تھے۔ اللہ کا حکم ہے [illegible]
کریم کی سنت ہے" دوسرا بولا۔

"چلو بھئی چلو۔ ناقدروں کے ساتھ بھلائی کرنا عمل کو ضائع کرنا [illegible]"
نے ارشاد فرمایا۔

مگر ایسے لوگ بھی تھے جو وہیں بیٹھے رہے۔ ان میں سے ایک [illegible]
سے کہا "میں جانتا ہوں، آدمی تکلیف میں ہو، پریشان ہو تو دماغ کام نہیں کرتا [illegible]
میں کسی بات کا برا نہیں ماننا چاہیے۔"

"اور پھر یہ بزرگ ہیں۔ بزرگوں کی بات پر خفا ہونا کیسا؟" ایک [illegible]
نے کہا۔

چوہدری بھی جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ مگر شاید وہ واحد آدمی [illegible]
مان کر نہیں جا رہا تھا بلکہ اسے نکلنے کا موقع ہی اب جگہ بننے کی وجہ [illegible]
شرمندہ بھی تھا۔ اس کی سمجھ میں عیادت کا مفہوم آگیا تھا۔

اچانک اس کی نظر حافظ صاحب کے چہرے پر پڑی۔ ان کو دیکھ کر [illegible]
لگا۔ ان کا چہرہ انگارے جیسا سرخ ہو رہا تھا اور سانسیں ٹوٹ کر آرہی [illegible]
نے اپنا ایک ہاتھ سختی سے دل کے مقام پر رکھا تھا اور اسے دبا رہے [illegible]

[illegible] آرای کی وجہ سے ان کی حالت بگڑ گئی تھی۔

امیر صاحب کی نظر بھی ان پر پڑی تو وہ تڑپ گئے "کیا ہوا بھائی صاحب! کیا
[illegible]؟"

[illegible] حافظ صاحب سے بولا بھی نہیں گیا۔ بس انہوں نے اشارے سے بتایا کہ
[illegible] دل میں درد ہو رہا ہے۔ چند لمحوں میں سب کو اندازہ ہوگیا کہ انہیں اسپتال
[illegible] گا۔

"آپ دیکھیں۔ ہم لوگ ہیں تو حافظ صاحب کو اسپتال لے جانے میں دشواری
[illegible]" ناراض ہو کر اٹھنے والوں میں سے ایک نے کہا۔

"آپ لوگوں ہی کی وجہ سے بھائی صاحب کو اسپتال لے جانا پڑ رہا ہے" امیر
[illegible] کر کہا۔

[illegible] حافظ صاحب کو اسپتال لے جایا گیا۔ ڈاکٹر نے معائنے کے بعد ان کی حالت
[illegible] اور انہیں انتہائی نگہداشت کے شعبے میں منتقل کر دیا گیا۔ چھ گھنٹے
[illegible] کی کشمکش میں رہنے کے بعد وہ انتقال کر گئے۔

ان کی موت کے بعد چند معتمد افراد کے درمیان بیٹھ کر ان کے چھوٹے بھائی
[illegible] "اگرچہ پوسٹ مارٹم رپورٹ میں ڈاکٹروں نے موت کا سبب دل کی
[illegible] لیکن میں جانتا ہوں کہ ان کی موت کا سبب کثرت عیادت ہے۔
[illegible] اور مستقل مزاج عیادت کرنے والوں کی عنایت۔ میرا بس چلتا تو یہ
[illegible] کتبے پر کندہ کروا دیتا۔"

○

اس روز چوہدری محکوم اللہ نے عیادت کا مفہوم سمجھ لیا۔ اس نے یہ بھی جان لیا کہ عیادت آسان ہونے کے ساتھ ساتھ بے حد اجر والا کام ہے۔ اس میں آدمی کا خرچ کچھ بھی نہیں ہوتا اور صلہ بہت بڑا ملتا ہے۔ مگر اس نے عیادت کو نیکی میں بھی شمار نہیں کیا۔ اس کے ذہن میں نیکی کا مفہوم الگ تھا۔ عیادت تو اگر دیکھا جائے تو ایک اعتبار سے فرض ہے۔ نیکی کو وہ وعدہ کے مفہوم میں لیتا تھا۔

سو چوہدری نے ارادہ کرلیا تھا کہ اب وہ ایک بے غرض نیکی کر کے رہے گا۔ مگر اس سے پہلے عیادت کا ایک موقع مل جائے تو سبحان اللہ۔ عیادت کا ایک موقع تو صبح سویرے ہی ضائع ہوگیا تھا۔ صرف اس لیے کہ جس کی عیادت کرنی تھی، وہ سرے سے بیمار ہی نہیں تھا، الٹا چوہدری خود وبال میں آگیا تھا۔

مگر کام پر جانے کے لئے گھر سے نکلتے ہوئے چوہدری کو یاد آیا کہ عیادت کا ایک چانس اور ہے۔ دو دن پہلے اسے پتا چلا تھا کہ سعید بیمار ہے۔ اس نے سوچا، کام پر جانے سے پہلے وہ پانچ منٹ میں اس کی عیادت بھی کرلے گا۔ پھر شاید نیکی آسان ہو جائے۔

سب سے پہلے اس نے پھول والے سے ایک گلدستہ لیا۔ پھر وہ سعید کے گھر کی طرف چل دیا۔ راستے میں وہ عیادت کے لیے بولے جانے والے جملوں کا انتخاب اور ان کی ریہرسل کرتا رہا۔ اس نے سعید کے دروازے پر دستک دی۔ سعید کا چھوٹا بیٹا دروازے پر آیا "میں سعید بھائی سے ملنے آیا ہوں" چوہدری نے کہا۔

"ابا تو دکان پر گئے ہیں۔"

"لیکن انہیں تو بخار تھا۔ سنا ہے، بہت طبیعت خراب تھی ان کی۔"

"بخار تو اب بھی تھا" اندر سے سعید کی بیوی نے کہا "لیکن بچوں کا ساتھ ہے۔ تین دن سے دکان بند تھی، آج ہمت کر کے چلے ہی گئے۔"

چوہدری کو مایوسی تو ہوئی کہ کوئی کام سیدھا ہو ہی نہیں رہا ہے۔ لیکن عیادت تو وہ اب بھی کرسکتا ہے۔ "ٹھیک ہے بہن، میں دکان پر ان کی مزاج پرسی کرلوں گا۔" اس نے کہا۔

تھوڑی ہی دور سعید کی دکان تھی۔ وہ ویڈیو کیسٹ کرائے پر دیتا تھا۔ چوہدری کبھی اس کی دکان پر نہیں گیا تھا لیکن اس روز عیادت کی خاطر اس نے یہ بھی گوارا کرلیا۔ نیکی کے معاملے میں وہ بوہنی کرنے کو بے تاب ہو رہا تھا۔

وہ سعید کی دکان پر پہنچا تو وہاں تیسری گلی والے نعمان کی بیٹی رضیہ موجود تھی۔ اسے دیکھ کر چوہدری کو حیرت ہوئی۔ ابھی چند سال پہلے وہ چھوٹی سی بچی تھی ..... اور اب اتنی بھرپور جوان ہوگئی تھی۔ چوہدری نے گھبرا کر نظریں جھکالیں۔ وہ صرف جوان ہی نہیں ہوئی تھی۔ اس کے لباس اور انداز میں بے حجابی بھی بہت تھی۔ وہ ایک طرف کھڑا ہوگیا۔

سعید اور رضیہ کے درمیان رازدارانہ گفتگو ہو رہی تھی لیکن آوازیں اتنی دھیمی بھی نہیں تھیں کہ چوہدری نہ سن پاتا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ سب کچھ سن رہا تھا۔

"مجھے ویسی فلم چاہیے، آپ مجھے کیوں نہیں؟" رضیہ کہہ رہی تھی۔

"بیٹی، میں ایسی ویسی فلمیں نہیں رکھتا۔"

"جھوٹ نہ بولیں۔ شہباز ہمیشہ آپ سے یہ فلمیں لے کر جاتا ہے۔"

"لیکن ....."

"لیکن ویکن کچھ نہیں۔ میں ہنگامہ کردوں تو ابھی آپ کی دکان سے سینکڑوں ایسی فلمیں برآمد ہوجائیں گی۔" لڑکی کے لہجے میں دھمکی تھی۔

سعید نے اسے بے بسی سے دیکھا۔ پھر شوکیس میں ہاتھ ڈال کر ایک کیسٹ نکالی اور لڑکی کو دے دی۔ لڑکی کے جانے کے بعد وہ چوہدری کی طرف متوجہ ہوا "آؤ

چوہدری صاحب، کیسے نکل آئے ادھر؟ کوئی فلم چاہیے ؟"

"نہیں، میں تو مزاج پرسی کے لئے آیا ہوں" چوہدری نے جلدی سے کہا "پتا چلا تھا کہ تمہاری طبیعت خراب ہے، اب کیا حال ہے ؟"

"بخار تو اب بھی ہے۔ لیکن کیا کروں، دھندا بھی ضروری ہے۔ روز کنواں کھودتا ہوں، روز پانی نکالتا ہوں۔ تین دن دکان بند رہی تو فاقوں کی نوبت آنے لگی تھی۔"

"اللہ رزق دینے والا ہے۔ گھبراؤ مت، اللہ تمہیں شفا عطا فرمائے۔ روزگار میں برکت دے" چوہدری نے بے حد خلوص سے کہا۔ پھر گلدستہ سعید کی طرف بڑھایا "یہ لو سعید بھائی، میں تمہارے لیے لایا تھا۔"

سعید نے مشکوک نظروں سے اسے اور پھر گلدستے کو دیکھا۔ "اب میں اتنا بیمار بھی نہیں ہوں چوہدری صاحب!"

"اس میں تمہیں خلوص اور اپنائیت کی خوشبو انشاء اللہ پورے دن آئے گی اور تم پوری طرح صحت مند ہو جاؤ گے۔"

سعید نے گلدستہ لیا اور پھولوں کو سونگھا۔ پھر وہ مسکرایا "تم بہت نیک آدمی ہو چوہدری صاحب! آج کل تم جیسے لوگ کم ہی ہوتے ہیں۔"

چوہدری کو بروقت خیال آگیا کہ تعریف پر اکڑنا پھولنا نہیں ہے۔ ورنہ نیکی ضائع ہو جائے گی۔ اس نے نہایت عاجزی سے کہا "ارے نہیں سعید بھائی، میں تو بہت گناہ گار آدمی ہوں۔ اچھا اب میں چلتا ہوں۔"

چوہدری بس اسٹاپ کی طرف چل دیا۔ تمام راستے وہ ٹرپل ایکس مووی کے بارے میں سوچتا رہا اور اس حوالے سے اسے نعمان کی بیٹی رضیہ اور سعید کے درمیان ہونے والی گفتگو یاد آتی رہی۔ پھر اس نے یہ سب ذہن سے جھٹک دیا اور خود کو یاد دلایا کہ اسے بس ایک بے غرض نیکی کی فکر کرنی چاہیے۔

○

چوہدری صدر پہنچا۔ وہاں سے اس نے کلفٹن کی بس پکڑی۔ بس میں بیٹھ کر

بھی وہ ممکنہ نیکی کے بارے میں سوچتا رہا، جو اسے کرنا تھی۔ اچانک اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اسے مولوی صاحب کی تقریر کا ایک حصہ یاد آگیا۔ مولوی صاحب نے کہا تھا کہ اللہ نے ایسے لوگوں کی مدد کرنے کا حکم دیا ہے۔ جو بظاہر سفید پوش ہوتے ہیں، جنہیں دیکھ کر کوئی سوچ نہیں سکتا کہ وہ پریشان حال ہیں لیکن ان کے چہروں کو غور سے دیکھا جائے تو یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنی عزت اور خود داری کی وجہ سے کسی کے سامنے دست سوال بھی دراز نہیں کرسکتے۔

یہ ٹھیک ہے، چوہدری نے دل میں سوچا۔ یہ آسان بھی ہے۔ صدر سے کلفٹن جانے والی بس میں صبح کے وقت رش نہیں ہوتا۔ تفریح کے لئے تو لوگ دوپہر کے بعد ہی نکلتے ہیں اور صحیح معنوں میں تو تفریح کرنے والوں کا رش شام کے وقت ہوتا ہے۔ اس وقت تو صرف وہی لوگ کلفٹن کا رخ کرتے ہیں جو وہاں کوئی دھندا کرتے ہیں یا پھر وہ لوگ ہوتے ہیں جنہیں بابا عبداللہ شاہ غازی کے مزار پر جانا ہوتا ہے۔

سو چوہدری بس میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو بہت غور سے دیکھتا رہا۔ وہ سب پھٹیچر ٹائپ کے لوگ تھے۔ ان میں کوئی سفید پوش تھا اور نہ ہی کوئی ایسا جو مولوی صاحب کی بیان کردہ تعریف پر پورا اترتا ہو اور وہ ہچکچانے والے بھی نہیں تھے۔ انہیں پتا چل جاتا کہ وہ ایک بے غرض نیکی کا خواہش مند ہے تو وہ سب اپنی ضرورتوں کی فہرست لے کر اس پر پل پڑتے۔ ان میں بہرحال اس کے مطلب کو کوئی نہیں تھا۔

کلفٹن پر بس خالی ہوگئی۔ چوہدری محکوم اللہ بھی اتر گیا۔ نیچے ساحل سمندر پر، ساحل کو پیچھے دھکیلنے والی دیوار کے اس طرف جو دور تک دکانوں کا سلسلہ تھا، ان میں سے ایک دکان اس کی بھی تھی۔ وہ وہاں تلی ہوئی مچھلی بیچتا تھا۔ خدا کے فضل و کرم سے اس کی دکان خوب چلتی تھی۔ بہت معقول آمدنی تھی اس کی۔ وہ دکانیں ساری ہی ایسی تھیں۔ ان میں کہیں سیپوں کے زیورات بیچنے والے تھے، کہیں شربت والے، کہیں آلو چھولے کی چاٹ والے۔ اور سب کے سب ہزار سے اوپر ہی پیٹ لیتے تھے۔ پچاس روپے روز تو پولیس کا بھتا ہی جاتا تھا اور سب خوشی سے دیتے تھے۔ جمعرات سے اتوار تک آمدنی اور زیادہ ہوتی تھی۔

اس روز اپنی دکان پر پہنچنے کے لئے چوہدری نے لمبا راستہ اختیار کیا۔ اس کا خیال تھا کہ اس راستے پر اسے کوئی ایسا ضرورت مند مل سکتا ہے، جو سفید پوش ہو اور عزت اور خودداری کی وجہ سے دست سوال دراز نہ کرسکے۔ اگر قسمت سے ایسا ہوگیا تو صبح ہی صبح نیکی مل جائے گی۔

وہ ساحل سے کافی دور، ساحل سے متوازی پکی سڑک پر چلتا رہا۔ وہ مین روڈ تھا۔ لیکن اس وقت وہاں ٹریفک بہت کم تھا۔ آگے جاکر یہ سڑک ساحل کی طرف مڑتی تھی۔ ساحل پر پہنچ کر اپنی دکان پر جانے کے لئے اسے بائیں ہاتھ پر مڑ کر کافی دور چلنا پڑتا۔ یہ الٹے بانس بریلی والا معاملہ تھا۔ لیکن چوہدری کو کوئی پروا نہیں تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اس کا معتمد ملازم اکبر دکان کھول چکا ہوگا۔ اور اس وقت رش بھی نہیں ہوگا۔

چنانچہ وہ اطمینان اور سکون سے چلتا رہا۔ وہ سڑک کی سائڈ میں کھڑی ایک عالی شان کار کے پاس سے گزرا۔ کار میں ایک ڈرائیور اور دو گن مینوں کے سوا کوئی نہیں تھا۔ وہ شاید کسی کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ کار کی طرف توجہ دیے بغیر آگے بڑھ گیا۔

اپنے سے کچھ آگے اسے ایک شخص جاتا دکھائی دیا۔ اس کی دھڑکنوں کی رفتار تیز ہوگئی۔ اس شخص کو پیچھے سے دیکھ کر بھی وہ یہ کہہ سکتا تھا کہ وہ اس کے مطلب کا آدمی ثابت ہوسکتا ہے۔ وہ بھاری بھرکم، بلکہ موٹا شخص تھا جو سفاری سوٹ وہ پہنے ہوئے تھا، وہ بیش قیمت معلوم ہو رہا تھا اور وہ اپنے موٹاپے کے باوجود تیز قدموں سے چلنے کی کوشش کر رہا تھا، جیسے کہیں پہنچنے کی جلدی ہو۔

چوہدری نے اپنی رفتار تیز کرلی۔ وہ جلد از جلد اس شخص کا چہرہ دیکھنا چاہتا تھا۔ بس چہرے پر پریشانی نظر آئی اور میرا کام ہوا، اس نے سوچا۔

ایک منٹ بعد ہی چوہدری کو محسوس ہوا کہ آگے جانے والے شخص کی رفتار ٹوٹ رہی ہے۔ اسے اس کے قدموں میں لڑکھڑاہٹ بھی صاف طور پر نظر آئی۔ یہ اچھی علامت تھی۔ چوہدری کو یقین ہوگیا کہ اس شخص نے رات کا کھانا بھی نہیں کھایا ہے۔ وہ لڑکھڑاہٹ سو فیصد بھوک سے پیدا ہونے والی کمزوری کی وجہ سے تھی۔

بعد میں اسے حتمی طور پر پتا چل گیا کہ اس کا اندازہ کس قدر درست تھا!

چوہدری نے اپنی رفتار اور بڑھائی اور چند سیکنڈ میں اس شخص تک پہنچ گیا۔ اس کے قریب پہنچ کر اس نے اپنی رفتار کم کی اور چند لمحے اس کے پیچھے چلتا رہا۔ پھر وہ اس سے آگے نکلا اور اس نے بڑے سرسری انداز میں پلٹ کر دیکھا۔ اس شخص کا چہرہ دیکھتے ہی اس کا دل خوش ہوگیا۔ وہ یقیناً" اس کے مطلب کا آدمی تھا۔ اس کا چہرہ پسینے میں نہایا ہوا تھا اور اس پر عجیب طرح کے کرب کا تاثر تھا۔ اور اس کی آنکھیں بھی دھندلائی ہوئی تھیں جیسے اسے کچھ دکھائی نہ دے پا رہا ہو۔ شاید اسے چکر آرہے تھے۔

چوہدری کے ذہن میں شدت سے ایک لفظ گونجنے لگا۔ بھوک ..... بھوک!

چند قدم چلنے کے بعد چوہدری رکا اور اس شخص کی طرف پلٹا۔ اب وہ شخص رک گیا تھا اور بری طرح ہانپ رہا تھا۔ چوہدری محکوم اللہ نے اس کی عزت داری کا خیال رکھتے ہوئے بے حد احترام سے کہا "السلام علیکم!"

اس شخص نے اسے یوں دیکھا جیسے ٹھیک طرح سے نہ دیکھ پا رہا ہو۔ پھر پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان کہا "وا...... لیکم....."

"آپ کسی بہت بڑی پریشانی سے دوچار ہیں جناب؟" چوہدری نے پوچھا۔

اس شخص نے چونک کر، آنکھیں پوری طرح کھول کر اسے دیکھا "تمہیں کیسے پتا چلا؟"

"آپ کے چہرے سے صاف ظاہر ہے۔"

"کیا کروں، بہت کوشش کرتا ہوں مگر پھر بھی چہرے سے پتا چل ہی جاتا ہے" اس شخص کے لہجے میں بے بسی تھی۔

"پیٹ میں اینٹھن ہو رہی ہوگی؟" چوہدری نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

"اینٹھن کیا، ایک گولا سا ہے جو ہر طرف دوڑتا پھر رہا ہے۔"

"ایک بار میرے ساتھ بھی ایسا ہوا تھا۔" چوہدری نے حوصلہ دینے والے انداز میں کہا "مگر اب آپ فکر نہ کریں۔ آپ کی پریشانی انشاء اللہ دور ہو جائے گی۔"

"تم میری مشکل آسان کرو گے؟"

چوہدری اپنے دونوں رخسار پیٹنے لگا "توبہ توبہ جناب! میں کیا اور میری اوقات کیا۔ وہ اوپر والا جسے چاہے، وسیلہ بنا دے۔"

وہ شخص اب چوہدری کو مشتبہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ "تم کوئی سنیاسی ہو یا حکیم؟" اس نے پوچھا "تم کیا کرسکتے ہو میرے لیے؟"

"میں ..... میں کیا کروں گا، حاجت روائی تو بس اللہ فرماتا ہے" چوہدری نے بے حد عاجزی سے کہا۔

وہ شخص اچانک گڑگڑانے لگا "مجھے حاجت کی حاجت ہے، میں بڑی مصیبت میں ہوں۔"

چوہدری پر رقت طاری ہوگئی۔ سچی اور بے غرض نیکی کی خواہش نے اسے مضطرب کردیا۔ وہ شخص بظاہر اس سے بہت ..... بہت زیادہ خوش حال تھا۔ لیکن اتنا پریشان تھا کہ اسے اس کی مدد کی ضرورت تھی "میں جناب، بے حیثیت آدمی ہوں لیکن شاید میری حقیر سی مدد آپ کے کچھ کام آسکے" اس نے بے حد عجز سے کہا۔ پھر جیب سے سو کا ایک نوٹ نکال کر اپنی مٹھی میں بند کیا۔ پھر اس نے اس شخص کا ہاتھ تھاما، سو کا نوٹ اس کی ہتھیلی پر رکھ کر اس کی مٹھی بند کی اور تیز قدموں سے آگے بڑھ گیا۔

ایک لمحے بعد اسے عقب سے تیز لہجے میں پکارا گیا "اے رکو..... تم نے مجھے سمجھا کیا ہے؟"

چوہدری کے قدم اور تیز ہوگئے۔ واقعی ..... خود دار اور عزت والا لگتا ہے، اس نے سوچا، اللہ ایسا وقت کسی کو نہ دکھائے۔

"ابے رک الو کے پٹھے! مجھے خیرات دیتا ہے" اس بار عقب سے دہاڑ سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی بھاگتے ہوئے بھاری قدموں کی چاپیں۔

چوہدری بھی دوڑنے لگا۔ اسے یقین تھا کہ وہ موٹا اسے نہیں پکڑ سکے گا اور وہ خوش تھا کہ اسے ایک سچی نیکی نصیب ہوگئی۔

عقب سے موٹے کی دہاڑ دوبارہ سنائی دی "ادھر آؤ نا خبیث، وہاں کھڑے کیا کر رہے ہو؟"

چوہدری نے پلٹ کر بھی نہیں دیکھا، بھاگتا رہا اور وہ زیادہ تیز نہیں بھاگ رہا تھا۔ اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ اس بھوکے موٹے سے تو چلا بھی نہیں جا رہا تھا۔ تو تیز دوڑنے کی کیا ضرورت!

عقب سے ایک گاڑی کی آواز سنائی دی۔ مگر چوہدری کو اس سے غرض نہیں تھی۔ گاڑی کے بریک چلائے۔ وقفہ ..... پھر گاڑی دوبارہ چل پڑی۔ وہ اس سے بے نیاز بھاگتا رہا۔ ایک بار پھر بریک کی چیختی ہوئی آواز ...... اور اس کے ایک لمحے بعد ہی چار ہاتھوں نے اسے دبوچ لیا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھ پاتا، وہ اس بہت بڑی گاڑی میں اسی موٹے کے برابر بیٹھا ہوا تھا۔ اسے اٹھا کر گاڑی میں پھینکنے کے بعد ایک باڈی گارڈ اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا اور دوسرا پچھلی سیٹ پر اس کے برابر۔ اب وہ موٹے اور گن مین کے درمیان پھنسا بیٹھا تھا۔ موٹے کا وجود اسے پسینے ڈال رہا تھا۔

"گاڑی چلاؤں سرجی!" ڈرائیور نے موٹے سے پوچھا۔

"چلاؤں کے بچے، پہلے یہ بتا کہ گاڑی کھڑی کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ میں ہمیشہ کہتا ہوں کہ گاڑی میرے ساتھ ساتھ چلایا کرو۔"

چوہدری دم بخود بیٹھا تھا کہ یہ کیا افتاد آپڑی۔ وہ صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"سرجی، آپ جس رفتار سے جوگنگ کرتے ہیں، گاڑی کم سے کم رفتار میں بھی آپ کو اوورٹیک کر جائے گی اور اتنی کم رفتار میں انجن بیٹھنے کا خطرہ الگ ہے۔ اسی لیے سرجی، میں آپ کو پانچ سو میٹر کی لیڈ دے کر چلتا ہوں۔"

"ابے گاڑی تیرے باپ کی ہے کیا۔ انجن بیٹھے یا لیٹے، تجھے کیا۔ تو میری بات نہیں مانتا" سیٹھ نے گرج کر کہا "پانچ سو میٹر کی لیڈ کی وجہ سے تو میں اغوا بھی ہوسکتا ہوں۔"

"ایسی بات نہیں سرجی۔ ہم سڑک پر اور راہ گیروں پر پوری طرح نظر رکھے

ہوئے تھے" آگے بیٹھے ہوئے گن مین نے جلدی سے کہا۔

"خاک نظر رکھے ہوئے تھے" موٹے سیٹھ نے بھنا کر کہا "یہ اتنی دیر مجھ سے بات کرتا رہا اور تم ٹس سے مس نہ ہوئے" روئے سخن چوہدری کی جانب تھا۔

"سرجی' یہ پیدل تھا" چوہدری کے ساتھ بیٹھے ہوئے گن مین نے صفائی پیش کی "یہ آپ کو اٹھا کر بھاگ نہیں سکتا تھا۔"

"بکواس بند کرو غیر ذمے دار خبیثو!"

ڈرائیور نے شاید موضوع بدلنے کی کوشش کی "سرجی' تھانے چلوں یا اسے ٹھکانے لگا کر سمندر میں پھینکنا ہے؟"

اشارہ چوہدری کی طرف تھا۔ یہ سن کر چوہدری کے تو دیوتا کوچ کر گئے "مم... میرا کیا قصور ہے جناب عالی؟"

"جب گاڑی چلانی ہوگی' میں بتا دوں گا" موٹے سیٹھ نے ڈرائیور کو ڈانٹا۔ پھر وہ چوہدری کی طرف متوجہ ہوا "تم بتاؤ' تمہارا کیا معاملہ ہے؟"

چوہدری نے گھبرا کر الف سے ے تک سب کچھ سنا دیا۔

"تو میں تمہیں صورت سے بھوکا' پریشان حال اور حاجت مند لگ رہا تھا؟"

"بس غلطی ہوگئی جناب!" چوہدری گھگیایا۔

"غلطی کیسی۔ میں بھوکا بھی تھا' پریشان حال بھی اور حاجت مند بھی" سیٹھ نے کہا "بھوکا اس لیے کہ حاجت پوری نہ ہو تو میں ناشتا نہیں کر سکتا۔ میں گیس اور قبض کا مریض ہوں۔ حاجت مند بھی میں تھا اور پریشان حال اس لیے کہ اس جسم کے ساتھ مجھے ہر روز جوگنگ کرنی پڑتی ہے۔ مگر تم نے مجھے خوب پہچانا" یہ کہہ کر سیٹھ نے ہنسنا شروع کیا اور ہنستا ہی چلا گیا "کمال کیا تم نے۔" وہ ہنسی کے درمیان کہہ رہا تھا "تم نے مجھے ایسا عزت دار ضرورت مند سمجھ لیا جو برے حال میں ہے اور کسی سے مدد نہیں مانگ سکتا' خودداری کی وجہ سے۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ میں اس حال میں ایسا لگتا ہوں۔"

سیٹھ ہنسے جا رہا تھا اور گھبرایا ہوا چوہدری اسے دیکھے جا رہا تھا۔ اچانک بہت

زور کا ایک دھماکا ہوا' جس نے چوہدری کو سیٹھ سے کم از کم چھ انچ دور اچھال دیا۔ اس کے نتیجے میں گن مین گاڑی کے دروازے کے ساتھ دب کر رہ گیا۔ اس دھماکے کی نوعیت سمجھنے میں چوہدری کو دس سیکنڈ لگے۔

دھماکے کے نتیجے میں موٹے سیٹھ کے چہرے پر سکون اور طمانیت پھیل گئی تھی۔ اس نے بڑے میٹھے لہجے میں کہا "لو.... میری آدھی حاجت تو رفع ہوگئی۔ تم بڑے باکمال اور مبارک آدمی ہو۔ نام کیا ہے تمہارا؟"

"چوہدری محکوم اللہ۔ لیکن جناب' میں نے کیا' کیا ہے؟" چوہدری نے بے حد مظلومیت سے پوچھا۔

"بہت بڑا کام کیا ہے تم نے۔ میری مشکل آسان کی۔ نہ صرف میری پریشانی دور کی بلکہ اس کا مستقل حل بھی سمجھا دیا۔ ڈاکٹر کہتے تھے کہ جاگنگ کرو' مجھے پتا چل گیا کہ میرا مسئلہ تو ہنسنے سے بھی حل ہو جاتا ہے۔ اور وہ بھی بڑی آسانی سے۔ تم نے بہت بڑی نیکی کی ہے میرے ساتھ! اب میں روز صبح کے وقت لطیفے سنا کروں گا۔"

چوہدری دل ہی دل میں جھلس کر رہ گیا۔ اتنی شدید خواہش اور اتنی مشقت کے بعد یہ کس قسم کی نیکی نصیب ہوئی اسے اور وہ بھی بہت بڑی۔

"لیکن تم نے میری توہین کی سو روپے دے کر" اچانک سیٹھ نے بگڑے ہوئے لہجے میں کہا۔ پھر لہجہ نرم کرتے ہوئے بولا۔ "خیر تمہاری نیکی کی خاطر میں نے اسے قبول کر لیا۔ لیکن تمہیں بھی ایک نذرانہ قبول کرنا ہوگا" اس نے بریف کیس کھول کر اس میں سے سو کے نوٹوں کی ایک پوری گڈی نکالی اور اس کی طرف بڑھائی "لو.... یہ رکھ لو۔"

"اس کی کوئی ضرورت نہیں" چوہدری نے عاجزی سے کہا۔

"ضرورت ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ میں نے کسی کو احسان کا صلہ نہ دیا ہو۔ رکھ لو.... شاباش!"

"مگر سیٹھ صاحب! میں اللہ سے صلہ چاہتا ہوں۔"

"وہ تم جانو اور اللہ جانے۔ یہ تو تمہیں لینے ہی پڑیں گے۔" سیٹھ کا لہجہ سخت

ہوگیا۔

"اور اگر میں نہ لوں تو؟" چوہدری نے دل کڑا کر کے کہا۔

"مجھے افسوس ہوگا۔ میرے گن مین تمہیں شوٹ کر کے سمندر میں پھینک دیں گے۔"

چوہدری نے خاموشی سے نوٹوں کی گڈی جیب میں رکھ لی۔ اس نے سمجھ لیا تھا کہ ابھی تک وہ نیکی کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا ہے اور نیکی کے بغیر وہ مرنا نہیں چاہتا تھا۔ اب اس کا بس چلتا تو وہ اڑ کر اس گاڑی سے نکلتا اور اپنی دکان کی راہ لیتا لیکن یہ ممکن نہیں تھا۔ اس کے ایک طرف گن مین بیٹھا تھا اور دوسری طرف موٹا سیٹھ۔ چنانچہ اس نے بے حد نیاز مندی سے کہا "سیٹھ صاحب' اب مجھے اجازت ہے؟"

"تم مجھے سیٹھ نہ کہنا۔ اب میں تمہارا دوست ہوں۔ میرا نام جسیم ہے۔ اور ہاں' یہ بتاؤ کہ تم جا کہاں رہے تھے؟"

"یہاں ساحل پر میری دکان ہے۔"

"تو چلو۔ میں تمہیں وہاں پہنچا دوں گا" سیٹھ جسیم نے کہا اور ڈرائیور سے مخاطب ہوا "چلو .... ساحل کی طرف...."

دکان تک پہنچنے میں ایک منٹ لگا۔ سیٹھ جسیم دکان دیکھ کر خوش ہوگیا "تم مچھلی بیچتے ہو؟"

"جی ہاں سیٹھ ...."

"پھر وہی سیٹھ" سیٹھ جسیم کے تیور بدلنے لگے۔

"میرا مطلب ہے جسیم صاحب' میں مچھلی بیچتا ہوں' یہ میری دکان ہے۔"

"صرف تلی ہوئی مچھلی بیچتے ہو یا ابلی ہوئی بھی ہوتی ہے تمہارے ہاں؟" سیٹھ نے پوچھا۔ پھر وضاحت کی۔ "دراصل ڈاکٹروں نے بتایا ہے کہ ابلی ہوئی مچھلی میرے لئے دوا کا کام کرے گی۔"

چوہدری اس وقت اس کار سے نکلنے کے لئے کچھ بھی بیچ سکتا تھا۔ اس نے

جلدی سے کہا "ابلی ہوئی بھی ہوتی ہے سے ... میرا مطلب ہے جسیم صاحب!"

"بس تو پھر دوستی پکی ہوگئی۔ میں روز مچھلی منگوایا کروں گا تم سے۔ دو تین کلو تو ابھی دے دو۔"

چوہدری گڑبڑا گیا "وہ .... ابھی تو ممکن نہیں ہے۔ میں آیا ہوں' اب ابالوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں دو گھنٹے بعد اپنے ڈرائیور کو بھیج دوں گا۔ تم بحث نہ کرنا" سیٹھ نے جیب سے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکال کر اسے دیا۔

"جی۔ نہیں کروں گا' اب مجھے اجازت؟"

سیٹھ نے اشارہ کیا۔ گن مین نے اتر کر چوہدری کو راستہ دیا۔ گاڑی چلی گئی تو چوہدری کی جان میں جان آئی۔ تب اس کی نظر اپنے ملازم اکبر پر پڑی۔ اکبر کی باچھیں کھلی جارہی تھیں "واہ سیٹھ' خوب مزے اڑا رہے ہو۔"

چوہدری دل ہی دل میں جل کر رہ گیا۔ اب اسے مچھلی ابالنے کی فکر تھی۔ اس کا اس کے پاس کوئی بندوبست نہیں تھا۔ وہ اس میں مصروف ہوگیا۔

○

چوہدری نے چار کلو مچھلی ابالی تھی۔ وہ اس کا پہلا تجربہ تھا۔ اکبر اس دوران میں اسے حیرت سے دیکھتا رہا تھا "سیٹھ' یہ نیا آئیڈیا کیسے سوجھ گیا؟"

"کسی گراک کی فرمائش ہے۔" چوہدری نے خشک لہجے میں کہا۔ بارہ بجے جیم سیٹھ کی گاڑی آگئی۔ اس نے تین کلو مچھلی ڈرائیور کو دی۔ گن مین نے ایک ہزار کا نوٹ اس کی طرف بڑھا دیا۔

"میرے پاس کھلا نہیں ہے۔ ابھی تو دھندا شروع ہی نہیں ہوا ہے" چوہدری نے کہا۔ ویسے اسے سیٹھ کی دی ہوئی گڈی یاد تھی۔ لیکن نیکی کی خواہش اور تصور میں سرشار اس کے ذہن نے اس رقم کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ ان نوٹوں کو ہاتھ بھی نہیں لگانا چاہتا تھا۔

"اس کی ضرورت نہیں "گن مین نے کہا" سیٹھ نے یہ پوری رقم تمہیں دی ہے' یہ مچھلی کی قیمت ہے۔"

چوہدری نے کوئی بحث نہیں کی۔ وہ خالص کاروباری آدمی تھا۔ اس نے سیٹھ کی فرمائش کے مطابق خاص طور پر مچھلی ابالی تھی۔ اب وہ تین کلو کا ایک ہزار دے تو اس کی مرضی۔ اس نے تو زبردستی نہیں کی تھی۔ لہٰذا یہ اس کے نزدیک حلال کی کمائی تھی۔ اس کی آمدنی تھی۔ البتہ اس کے دیے ہوئے پہلے دس ہزار اسے اب بھی کاٹ رہے تھے۔

"واہ سیٹھ' اللہ روز ایسا گراک دے۔ تین کلو مچھلی ایک ہزار کی" گاڑی جانے کے بعد اکبر نے خوش ہو کر کہا۔

"یہ گراک روز کا ہی ہے" چوہدری نے کہا۔ پھر اس نے بچی ہوئی مچھلی کا ایک ٹکڑا اپنے منہ میں رکھا۔ اس کا ذائقہ خراب ہوگیا "یہ تو بہت خراب ہے" اس نے

منہ بگاڑ کر کہا۔ "چل جان چھوٹی۔ اب سیٹھ کبھی مچھلی نہیں منگوائے گا۔"

"تو سیٹھ مجھ کو بولنا تھا نا" اکبر نے کہا "میں ایسی مچھلی ابال کر دیتا کہ اگلے روز گراک چھ کلو مانگتا۔"

"تجھے مچھلی ابالنی بھی آتی ہے؟" چوہدری نے اسے گھورا۔

"میں فنکار ہوں سیٹھ۔ مچھلی کا کچھ بھی کردوں' اس میں وہ ذائقہ ہوگا جو کہیں اور نہیں ملے گا۔" اکبر نے اکڑ کر کہا "اور مچھلی ابالنا تو ایک فن ہے۔ میں چرکا دے کر اندر مسالہ لگاتا ہوں۔ ایسا کہ نہ کہیں سے پھیکی نہ کہیں سے تیز مسالے کی شکایت۔ برابر کا ذائقہ ہوگا مچھلی کے اندر۔ اور مچھلی بکھرے گی بھی نہیں۔ یہ تو بڑا نازک کام ہے سیٹھ۔"

چوہدری جانتا تھا کہ مچھلی کے معاملے میں اکبر فن کار ہے..... سچا فنکار "ٹھیک ہے' کل چار کلو ابال دینا۔ ویسے اب تو گراک نہیں آئے گا۔"

اب مصروفیت کا وقت شروع ہوگیا تھا۔ کلفٹن کے علاقے میں بے شمار تعمیراتی کام ہو رہے تھے۔ وہاں کام کرنے والے مزدور کھانا کھانے ادھر ہی آتے تھے۔ چوہدری کی مچھلی' شہزاد کی چھولوں کی چاٹ اور فضل دین کی حلیم اس دوران میں خوب بکتی تھی۔

دو بجے کے بعد ذرا آرام ملا۔ اب تفریح کے لئے آنے والے اکا دکا گاہک ہی رہ گئے تھے۔ چنانچہ یہ وقت تھا کہ سر توڑ کوشش کے باوجود وہ ایک نیکی بھی نہیں کرسکا تھا۔ صبح سویرے تو نمازیں بخشوانے گئے تھے کہ روزے گلے پڑگئے' والا معاملہ تھا۔ مگر آخری کوشش کے تو بڑے عجیب نتائج برآمد ہوئے تھے۔ اول تو جو کچھ اس نے نیکی کے خیال سے کیا' وہ اس کے خیال میں نیکی تھا ہی نہیں۔ لیکن جس کے ساتھ وہ کیا گیا تھا اس کے خیال میں وہ بہت بڑی نیکی تھا۔ اب ایسا تھا بھی تو وہ نیکی ضائع ہوگئی تھی۔ کیونکہ وہ شخص صلے کا معاملہ اللہ پر چھوڑنے کے بجائے خود صلہ دینے پر تل گیا تھا۔ دس ہزار روپے تو اس نے دیے ہی تھے۔ چوہدری کو شبہ تھا کہ وہ اس سے تین کلو مچھلی بھی ہر روز منگوائے گا۔ یعنی وہ صلے کو صلہ جاریہ بنا رہا تھا۔ یہ نیکی کی تڑپ میں مبتلا چوہدری کے لیے نہایت ناپسندیدہ صورت حال تھی۔

اب ایسے میں چوہدری یہی سوچ سکتا تھا کہ اس نام نہاد نیکی کو دریا میں ڈال دے اور خود بیٹھا بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ نیکیوں کے کنوئیں میں طلب کا ڈول ڈالتا نکالتا رہے۔ کبھی تو کوئی نیکی ہاتھ آئے گی ہی۔ اور وہ بھی اس سے پہلے چین سے نہیں بیٹھے گا۔

سب سے پہلے تو اسے دس ہزار کی اس رقم سے نجات پانی تھی۔ بے شک وہ کوئی چھوٹی نیکی کرے، لیکن اپنے پیسے سے کرے گا۔ اس رقم سے کی گئی نیکی تو اس کی نیکی شمار نہیں ہو سکتی۔ مولوی صاحب نے حرام اور حلال کے متعلق بھی تو بتایا تھا۔

یہ سب اور اپنی پچھلی ناکامیوں کے بارے میں سوچ سوچ کر چوہدری کڑھتا اور کف افسوس ملتا رہا۔ اور اسی میں اس کے دماغ پر نیکی کی سنک بری طرح سوار ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں استقلال کی چمک پیدا ہو گئی۔ اس نے یوں ادھر ادھر دیکھا جیسے وہ میدان جنگ میں سپہ سالار کی حیثیت سے ہو اور جنگ جیتنے کے لئے حکمت عملی پر غور کر رہا ہو۔ مولانا کے جمعے کی تقریر کے ہمہ گیر اثرات اور گہرے ہو گئے تھے۔ عام طور پر وہ ہر بات بہت جلد بھول جایا کرتا تھا۔ لیکن مولانا کی وہ تقریر اس کے دل میں اتر گئی تھی۔ یہ الگ بات کہ وہ اسے قسطوں میں اور مختلف مقامات پر یاد آتی تھی۔

چوہدری بس میٹرک پاس تھا لیکن اس کے خیالات فلسفیانہ نوعیت کے تھے۔ ویسے وہ بے حد عملی آدمی تھا۔ اس لیے اسے غور و فکر کرنے کا موقع کم ہی ملتا تھا۔ کبھی موقع ملتا تو وہ بیٹھ کر زندگی کے، دنیا کے، لوگوں کے بارے میں سوچتا۔ بنیادی طور پر وہ سیدھا سادہ آدمی تھا۔ تیزی طراری اس میں نہیں تھی۔ کوئی بھی موقع ملنے پر اسے آسانی سے بے وقوف بنا سکتا تھا۔ ہاں، دین کا رجحان اس کا بہت پکا تھا۔ اللہ سے وہ ڈرتا تھا۔

اس وقت کلفٹن کی وہ لوکیشن اس کے لئے کارزار حیات تھی، جہاں اسے ایک نیکی جیتنے کے لئے جنگ کرنی تھی۔ اور وہ جنگ اس کے لئے جہاد کی حیثیت رکھتی تھی۔ وہ ہفتے کا دن تھا۔ یعنی ویک اینڈ۔ تین بجے تھے۔ اس لیے ساحل سنسان پڑا تھا۔ مگر وہ جانتا تھا کہ ابھی چار بجے کے بعد سے یہاں رونق شروع ہو گی، جو بڑھتی

جائے گی اور رات تک بھی ختم نہیں ہو گی اور رونق کا مطلب تھا دھندے کی مصروفیت۔ سو اب اس کے پاس نیکی کے بارے میں سوچنے اور نیکی کرنے کے لئے ایک گھنٹے کی مہلت تھی۔ اس کے بعد تو اسے سر کھجانے کی فرصت بھی نہ ملتی۔

وہ ادھر ادھر نظریں دوڑا رہا تھا کہ شاید کہیں کوئی ضرورت مند نظر آ جائے اور نیکی کا موقع مل جائے۔ دور دور سے اس کی نظر ناکام لوٹ آئی اور پھر ذرا سے فاصلے پر کھڑے ہوئے اس جوان آدمی پر ٹھہر گئی۔ وہ خوبرو اور وجیہہ تھا۔ بہت قیمتی سوٹ پہنے ہوئے تھا اور ہر اعتبار سے بہت معزز آدمی دکھائی دے رہا تھا۔

اسے دیکھتے ہی دیکھتے اچانک چوہدری کی نگاہوں سے تشویش جھلکنے لگی۔ تشویش کی وجہ یہ تھی کہ کانسٹیبل مولا داد کا حسین چارہ اس جوان کی طرف بڑھ رہا تھا۔

کانسٹیبل مولا داد کا تعلق کلفٹن کے تھانے سے تھا۔ کہنے کو وہ کانسٹیبل تھا لیکن درحقیقت وہ اس علاقے کا بادشاہ تھا اور سبب اس کا یہ بتایا جاتا تھا کہ ایس پی کلفٹن اس کا بہنوئی تھا۔ بہرکیف یہ حقیقت تھی کہ مولا داد سے تھانے کا ایس ایچ او بھی آنکھ ملا کر بات نہیں کرتا تھا۔

مولا داد پولیس کے ان کارندوں میں سے تھا جو ساحل کی دکانوں، ٹھیلوں اور دوسرے دھندے والوں سے بھتا وصول کرتے تھے۔ اس کے علاوہ اس کا سرکاری کام یہاں چوری چکاری، لڑائی جھگڑا اور فحاشی اور بدکاری کو روکنا تھا۔

چوہدری اس مضمون میں بہت تیز تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ان کاموں میں بھی پولیس کی کمائی ہے۔ پولیس والے کبھی بھی کسی جوڑے کو تنہا گھومتا پھرتا دیکھ کر گھیر لیتے۔ سب سے پہلے تو وہ مال بنانے کی فکر کرتے۔ مال نہ نکلتا تو دونوں کو تھانے لے جاتے اور دونوں سے الگ الگ سلوک کرتے۔ یہاں تک کہ ان کے گھر والے آ کر مک مکا کرتے اور انہیں چھڑا کر لے جاتے۔ وہ میاں بیوی کو بھی نہیں بخشتے تھے۔ کیونکہ عام طور پر شادی شدہ جوڑے نکاح نامہ ساتھ لے کر نہیں نکلتے ہیں۔

ایسے میں مولا داد نے اپنی ایک خود مختار کارپوریشن کی بنیاد ڈال لی تھی۔ چار پیلی ٹیکسیاں تو اس کی ویسے ہی چلتی تھیں۔ اس نے چار رنگین ٹیکسیاں بھی ڈال لی تھیں۔ وہ چاروں خوب صورت اور طرح دار تھیں۔ ساحل کے تمام دکان دار انہیں

مولا داد کا حسین چارہ کہتے تھے، جن کے ذریعے مولا داد بڑی، چھوٹی ہر طرح کی مچھلیاں پھنساتا تھا۔ وہ چاروں لڑکیاں ساحل پر فحاشی اور بے حیائی کے ان تمام کاموں کو فروغ دیتی تھیں جنہیں روکنا، جن کا سدباب کرنا پولیس کا کام تھا۔ چنانچہ یاسمین کو اس خوب رو، خوش پوش اور مال دار شخص کی طرف بڑھتے دیکھ کر چوہدری کا ماتھا ٹھنکا اور اس نے اس شخص کی عزت و عافیت کے لئے دل ہی دل میں دعا کی کہ "اے الہ العالمین، اس شریف آدمی کے ساتھ کوئی ڈرامہ نہ ہو جائے پھر اس نے کان اس سمت لگا دیے۔

مگر وہ دن ہی ایسا تھا کہ کوئی کوشش، کوئی دعا قبول نہیں ہو رہی تھی۔

یاسمین اسی خوبرو جوان کی طرف بڑھی اور لگاوٹ بھرے لہجے میں بولی "ہیلو ہینڈسم!"

جوان آدمی نے اسے ٹٹولنے والی نظروں سے اور گرد و پیش کو چوکنے پن سے دیکھا۔ وہاں دکان داروں کے سوا کوئی نہیں تھا۔ وہ ذرا مطمئن ہوگیا اور اس نے بھی جواب میں ہیلو کہا۔

"کہیں چل کر آئس کریم کھائیں؟" یاسمین نے اسے دعوت دی۔

"مجھے ٹھنڈی چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

"تو کہیں چل کر گرما گرم سوپ پی لیتے ہیں۔"

"میرا بھوک بھڑکانے کا موڈ نہیں۔ وہ یقیناً تگڑی آسامی تھا۔ "تمہارے پاس گاڑی ہے؟"

جوان آدمی نے کوٹ کی جیب سے کار کی چابیاں نکال کر دکھائیں۔

"تو چلو، جبیس سے لنچ باکس لیتے ہیں۔ اولڈ کلفٹن پر گاڑی میں بیٹھ کر کھائیں پئیں گے اور باتیں کریں گے" یاسمین نے باتیں کریں گے اس انداز میں کہا کہ چوہدری محکوم اللہ کی رائے میں اس پر حد جاری ہو سکتی تھی۔

"میں بازار میں کھانے پینے کا قائل نہیں ہوں" جوان آدمی نے بڑی بے نیازی سے کہا۔

یاسمین کی آنکھوں کی چمک اور بڑھ گئی "بنگلا کہاں ہے تمہارا؟"

"ڈیفنس سوسائٹی، فیز فور میں۔"

"تو وہاں چلتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے لیکن پہلے یہ بتاؤ کہ تم کیا لوگی؟" جوان آدمی نے دو ٹوک لہجے میں پوچھا۔

یاسمین نے یوں آنکھیں پھیلائیں جیسے یہ سن کر اسے شاک لگا ہو "کیسی باتیں کر رہے ہو۔ مجھے کیا سمجھ رہے ہو تم؟ میں تو بس بوریت کی وجہ سے کہہ رہی ہوں۔"

"یہ سب میں سمجھتا ہوں۔ تم سیدھی بات کرو۔ میں بور والے ڈرامے کا بھی قائل نہیں ہوں۔ عزت دار آدمی ہوں" جوان آدمی پر یاسمین کی اداکاری کا کچھ اثر نہ ہوا۔

یاسمین شش و پنج میں پڑ گئی کہ ڈراما جاری رکھے یا نہیں۔ اس نے پوچھا "میری واپسی کب ہوگی؟"

"یہ ہوئی نا بات۔" جوان آدمی نے خوش ہو کر کہا "بھئی پہلے یہاں تفریح کریں گے۔ پھر رات کو گھر چلیں گے۔ صبح ناشتے کے بعد تم اپنے گھر چلی جانا۔"

یاسمین پھر سوچنے لگی۔ چند لمحے بعد بولی "میں دس ہزار لوں گی۔"

جوان آدمی کے لئے وہ یقیناً معمولی رقم ہوگی۔ چوہدری اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر تاثر کی کوئی تبدیلی چوہدری کو نظر نہیں آئی۔ اس نے بے حد پرسکون لہجے میں پوچھا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"یاسمین۔"

"خوب صورت نام ہے۔ کاش ....." جوان آدمی نے جملہ نامکمل چھوڑ دیا۔ پھر اچانک بولا "یاسمین، تمہارے پرس میں آئینہ تو ضرور ہوگا۔"

"ہے۔ تم کیوں پوچھ رہے ہو؟" یاسمین بھڑک اٹھی۔

"کچھ نہیں۔ ذرا خود کو چیک کرلوں۔"

یاسمین مسکرائی۔ اس نے پرس کھول کر آئینہ نکالا اور جوان آدمی کی طرف

بڑھاتے ہوئے کہا "ویسے تم بہت اچھے لگ رہے ہو۔"

جوان آدمی نے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا "میں تو ٹھیک ہوں" اس نے کہا اور آئینہ یاسمین کی طرف بڑھا دیا "ذرا تم بھی دیکھ لو۔"

یاسمین اپنے چہرے کی ٹچنگ کرنے لگی۔ اچانک جوان آدمی نے کہا "میں نے دیکھ لیا۔ میں صورت سے بے وقوف نہیں لگتا۔ ہوں بھی نہیں۔ اب تم ذرا غور سے دیکھو اپنے منہ کو۔ یہ تمہیں دس ہزار کا لگتا ہے؟"

یاسمین کی سمجھ میں پہلے تو کچھ آیا ہی نہیں۔ پھر اس نے جلدی سے آئینہ پرس میں رکھا "یہ کیا بکواس ہے؟" وہ غرائی۔

"پانچ سو سے زیادہ کی تمہاری اوقات نہیں۔ بولو، چلتی ہو۔ نہیں تو اپنا راستہ لو۔"

یاسمین کا چہرہ تمتما اٹھا "میری اوقات کا تو تمہیں ابھی پتا چل جائے گا۔ ایک لاکھ دے کر بھی بغیر مرمت کے جان نہیں چھوٹے گی تمہاری۔"

چوہدری کا دل لرزنے لگا۔ وہ جانتا تھا کہ اب کیا ہوگا۔ البتہ جوان آدمی کے حق میں ایک بات جا رہی تھی۔ اس وقت وہاں رش ہوتا تو پہلے مرحلے میں "عوام" کے ہاتھوں اس کی چٹنی بن جاتی۔ پھر دوسرے مرحلے میں شاید اسے ایک لاکھ ہی دینے پڑتے۔ اس کی شان و شوکت سے یہی اندازہ ہو رہا تھا۔

اس سے پہلے کہ جوان آدمی کچھ سمجھتا، یاسمین نے بہت مضبوطی سے اس کا ہاتھ پکڑا اور گلا پھاڑ کر چیخنے لگی "بچاؤ..... مجھے بچاؤ۔ کوئی ہے؟"

جوان آدمی نے گھبرا کر کہا "ارے چھوڑو، میرا ہاتھ۔"

مگر یاسمین کی گرفت بہت سخت تھی۔ اور کچھ یہ کہ جوان آدمی اس اچانک افتاد کے لئے تیار بھی نہیں تھا۔ یاسمین اس کے ہاتھ کو تیزی سے اپنے گریبان تک لائی اور اگلے ہی لمحے اس نے اپنا گریبان پھاڑ ڈالا۔ اب تو جوان آدمی بالکل ہی بوکھلا گیا۔

وہ بیک وقت ہوش ربا اور عبرت ناک منظر تھا۔ چوہدری نے شروع ہی سے سب کچھ نہ دیکھا ہوتا تو بھی اس منظر کی اور ہی تعبیر کرتا۔ اب صورت حال یہ تھی کہ

یاسمین کا گریبان پھٹا ہوا تھا اور اس نے جوان آدمی کے ہاتھ کو بری طرح جکڑ رکھا تھا۔ جوان آدمی کو صورت حال کی سنگینی کا احساس ہو چکا تھا۔ وہ ہاتھ چھڑا کر بھاگنے کی فکر میں تھا اور ہاتھ چھڑا نہیں پا رہا تھا۔ اس کوشش میں وہ یاسمین کو دھکیل رہا تھا۔ ہر دیکھنے والا یہی سمجھتا کہ وہ لڑکی کے ساتھ زیادتی کر رہا ہے اور چوہدری کے سوا تمام دکان داروں نے یہی سمجھا۔

چوہدری نے ایک لمحے میں خوب صورت لڑکی کے چہرے کو بدلتے دیکھا تھا۔ اب وہ کوئی مکروہ چڑیل لگ رہی تھی جو اچانک اپنے اصل روپ میں آگئی ہو۔ اس کے دل میں جوان آدمی کے لیے ہمدردی کی لہر اٹھی۔ اب اس بے چارے کا حشر ہو جائے گا۔ پھر اس نے سوچا یہ جو پیسے والے صدقہ خیرات نہیں کرتے، تو ان کا پیسا اس طرح نکلتا ہے۔ بے عزتی الگ ہوتی ہے۔

جوان آدمی اپنا ہاتھ چھڑانے کے لئے دوسرے ہاتھ سے یاسمین کو مارنے لگا۔ دیکھنے والے اسے دست درازی بھی سمجھ سکتے تھے۔ کچھ دکان دار ان دونوں کی طرف لپکے۔ اس وقت مولا داد کی انٹری ہوئی۔ مولا داد نے سب سے پہلے وسل بجا کر گویا کمک طلب کی پھر جوان آدمی کو پکڑ لیا "اوئے، یہ کیا کر رہے ہو تم سر بازار؟" اس نے دہاڑ کر کہا۔

"یہ اس گشتی سے پوچھو حوالدار۔ یہ مجھے گھیر رہی تھی" جوان آدمی نے گھبرا کر کہا۔

جس کی طرف اشارہ کیا گیا تھا، وہ گریبان چھپانے کے بجائے دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے سسک سسک کر رو رہی تھی۔

"موقع واردات کا نقشہ تو کچھ اور ظاہر کر رہا ہے" مولا داد نے نفرت آمیز لہجے میں کہا۔

"یہ سب ڈراما ہے حولدار جی!"

مولا داد یاسمین کی طرف مڑا "کیوں بی بی، کیا مسئلہ ہے؟"

"یہ زبردستی کر رہا تھا میرے ساتھ۔ مجھے اٹھا کر لے جانا چاہتا تھا۔"

مولا داد نے جوان آدمی کا ہاتھ پکڑا اور اسے الگ لے گیا۔ یوں وہ چوہدری

سے اور قریب ہوگئے "آپ مجھے معزز اور شریف آدمی لگتے ہیں۔" مولا داد نے بڑے احترام سے کہا "لیکن آپ بہت بے تکے پھنس گئے ہیں۔ تھانے گئے تو بڑی خرابی ہوگی، مہنگا بھی پڑے گا۔"

"میں نے کچھ کیا ہی نہیں۔" جوان آدمی نے کہا۔

"بات یہیں ختم ہو جائے تو بہتر ہے" مولا داد کے لہجے میں دھمکی تھی۔

"آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"دس ہزار۔"

"یہی تو وہ مانگ رہی تھی، جوان آدمی نے کہا "میں کہاں سے لاؤں دس ہزار؟"

"آپ تو دس لاکھ بھی دے سکتے ہیں عزت کے لئے۔ مجھے بڑی پہچان ہے آدمی کی۔"

"یہی تو مشکل ہے" جوان آدمی نے آہ بھر کے کہا "جو یہ مجھے سمجھ رہی تھی اور آپ مجھے سمجھ رہے ہیں، میں وہ نہیں ہوں۔ میں تو احتشام صاحب کا ڈرائیور .... خاص نوکر ہوں۔ وہ ایک ہفتے کے لئے بیوی بچوں کے ساتھ شہر سے باہر گئے ہیں۔ میں ان کا سوٹ پہن کر، گاڑی لے کر تفریح کے لئے نکل آیا تھا۔ میری جیب میں بس تین چار سو روپے ہوں گے۔"

یہ سنتے ہی مولا داد کے تیور بدل گئے۔ اس نے جوان آدمی کی گردن پکڑلی اور اسے دوبارہ لڑکی کے پاس لے گیا۔

کارروائی شروع ہوگئی۔ دونوں فریق بیان دینے لگے۔ ایک سچ بول رہا تھا اور دوسرا جھوٹ ..... اسی دوران میں چوہدری محکوم اللہ میں ایک کیمیاوی ..... تبدیلی رونما ہو رہی تھی۔ شاید نیکی کی خواہش اور طلب سے بوجھل نہ ہوتا تو ایسا نہ ہوتا۔ اور شاید جوان آدمی امیر و کبیر ہوتا تو وہ یہ سوچ لیتا کہ اس کی دولت میں سے صدقہ نکل رہا ہے لیکن وہ بے چارہ تو معمولی سا ڈرائیور تھا۔ چوہدری کو اللہ کے احکامات یاد آنے لگے۔ حق کو نہ چھپاؤ، گواہی سچی دو۔ یہ تمہاری ذمے داری ہے۔ سچ کا ساتھ دو۔ ظلم کے خلاف آواز اٹھاؤ۔

سو چوہدری ان سب باتوں سے لبالب بھر گیا۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ دریا میں رہ

کر مگرمچھ سے بیر نہیں رکھا جاسکتا اور دوسروں کے پھٹے میں ٹانگ اڑانا ٹھیک نہیں۔ اس کے نتیجے میں اس کے اندر کشمکش شروع ہوگئی۔

اسی لمحے مولا داد نے جوان آدمی سے کہا "کوئی گواہ ہے تمہارے الزام کا۔ تم نے زیادتی کی اور الٹا الزام لگا رہے ہو "پھر وہ دکان داروں کی طرف مڑا "تم میں سے کوئی گواہ ہے اس بات کا؟" پھر اس کی نظر چوہدری پر پڑی جو موقع واردات سے قریب تر تھا۔ "چوہدری، تم نے کچھ دیکھا، کچھ سنا؟"

اب چوہدری کو گواہی کے لئے پکار لیا گیا تھا۔ وہ پیچھے نہیں ہٹ سکتا تھا۔ نیکی تو وہ اب تک کر نہیں سکا تھا۔ سچ چھپانے کا، گواہی سے گریز کرنے کا گناہ کیوں کرتا۔ ساری مصلحتیں دھری رہ گئیں۔ اس نے سوچا، کون جانے، یہ نیکی ہی شمار ہو۔ "میں نے سب کچھ دیکھا، سب کچھ سنا" اس نے کہا۔

مولا داد کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ کیس پکا ہو رہا تھا "یہاں آکر مجھے بتاؤ۔"

چوہدری وہاں جا کھڑا ہوا "یہ لڑکی اس آدمی کو گھیر رہی تھی۔ کہیں چلنے کو کہہ رہی تھی۔ اس نے اس سے دس ہزار روپے کی بات کی۔ اس پر اس آدمی نے کہا کہ اس کی پانچ سو سے زیادہ کی اوقات نہیں ہے۔"

مولا داد کا منہ کھلا اور کھلے کا کھلا رہ گیا۔ پھر اس نے سنبھل کر کہا "لیکن اس نے لڑکی کے گریبان پر ہاتھ ڈالا۔"

"گریبان لڑکی نے خود پھاڑا ہے" چوہدری نے بڑے سکون سے کہا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے" مولا داد نے اعتراض کیا۔

"آپ نے سورہ یوسف نہیں پڑھی، دامن پیچھے سے پھٹا ہوتا تو مرد قصوروار ہوتا۔"

"یہ دامن کی نہیں، گریبان کی بات ہے اور کوئی عورت اپنا گریبان خود نہیں پھاڑتی" مولا داد نے اس کی دلیل مسترد کردی۔

"یہ کر سکتی ہے۔ یہ گشتی ہے۔"

"تمہیں کیسے معلوم؟"

"ایک سال سے یہ یہاں یہی دھندا کر رہی ہے۔ میں جانتا ہوں اسے۔ تم بھی

جانتے ہو حوالدار صاحب !"

مولا داد گڑبڑا گیا "میں ..... میں کیا جانوں ؟"

"اس میں اور ایسی ہی تین لڑکیاں جو اور ہیں' ان کے دھندے میں تم بھی حصے دار ہو" چوہدری اب ہر مصلحت سے بے نیاز تھا۔

اس پر بات بالکل ہی بگڑ گئی۔ مولا داد نے گرج کر کہا "میں سمجھ گیا چوہدری۔ تو بھی یہی دھندا کرتا ہے۔ مجھ پر الزام لگاتا ہے۔ تجھے تو آج میں مزہ چکھاؤں گا۔"

پندرہ منٹ کے اندر وہ پورا قافلہ تھانے کے لئے روانہ ہوگیا۔ چوہدری بھی مجرم کی حیثیت سے اس میں شامل تھا۔

مقدمے کی اگلی ساعت ایس ایچ او کے سامنے ہوئی۔ اس نے سب کچھ سننے کے بعد چوہدری سے کہا "تم یہاں دکان کرتے ہو۔ تمہیں اس میں ملوث ہونے کی کیا ضرورت تھی؟"

"مجھے تو جی حولدار نے خود پکارا تھا" چوہدری نے کہا۔

اس پر ایس ایچ نے مولا داد کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔ وہ سر جھکا کر رہ گیا۔ ایس ایچ او نے چوہدری کو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا "تمہیں یہاں دکان کرنی ہے یا نہیں ؟" وہ واضح طور پر دھمکی تھی "تم چاہو تو بیان بدل دو۔ چاہو تو بیان سے دست بردار ہو جاؤ۔ اس کے بعد کیس صاف ہے" یہ واضح طور پر فیصلہ تھا۔

"کیس صاف کا کیا مطلب ہے جناب !"

"ہم اس شریف لڑکی کو جانے دیں گے اور ملزم کے خلاف پرچا کاٹیں گے۔"

"مگر یہ تو غلط ہے۔"

"تمہیں اس سے کیا۔ میں تمہیں ایک موقع دے رہا ہوں۔"

چوہدری ایک لمحے کے لیے سوچ میں پڑگیا۔ دکان جاتی رہی تو فاقے ہوں گے۔ بچوں کا کیا بنے گا۔ مگر نیکی سے سرشار ذہن کچھ سننے کے لئے تیار نہیں تھا۔ "رزق دینے والا اللہ ہے سرکار۔ میں سچ تو ضرور بولوں گا۔ یہ شریف لڑکی نہیں ہے۔ ساحل پر دھندا کرتی ہے۔ مولا داد اس کا گرو ہے۔ اس جیسی تین لڑکیاں اس وقت بھی شکار کی تلاش میں گھوم رہی ہوں گی۔ میں ان سب کو جانتا ہوں۔ یہ یاسمین ہے" اس نے لڑکی کی طرف اشارہ کیا "اور باقی تین نگینہ' سائرہ اور پروین ہیں اور یہ آدمی بلاوجہ پھنس گیا ہے۔"

ایس ایچ او نے مولا داد کو معنی خیز نظروں سے دیکھا "بھئی اسے لے جاؤ اور

سمجھانے کی کوشش کرو" اس کا لہجہ بھی معنی خیز تھا "ایک گھنٹے بعد [illegible]
کرو۔"

حوالات میں چوہدری پر جو ایک گھنٹا گزرا، وہ بہت سخت [illegible]
ہمیشہ ڈرتا تھا لیکن مولا داد کے سمجھانے پر بھی وہ نہ بیان بدلنے پر [illegible]
سے دست بردار ہونے پر۔ اس کے نتیجے میں اس کی مرمت کی گئی [illegible]
کے مطابق ہاتھ ہلکا رکھا جا رہا تھا۔ اس کے باوجود چوہدری کی [illegible]
پھر مولا داد نے آدھے گھنٹے کا بونس ٹائم بھی لیا۔ لیکن ثابت [illegible]
ہے لیکن زرخیزی سے محروم ہے۔

ڈیڑھ گھنٹے بعد چوہدری کو دوبارہ ایس ایچ او کے سامنے [illegible]
پہلے جیسا ہی تھا لیکن مار پیٹ نے اسے تباہ کر دیا تھا۔ [illegible]
پورے جسم پر اس طرح ضربیں لگائی گئی تھیں کہ نشان کہیں نہیں [illegible]
بھی حیران تھا۔ نہ جانے اس کے اندر کون سی قوت تھی کہ [illegible]
مرمت پر تو وہ قتل کا اعتراف بھی کرلیتا۔

ایس ایچ او نے اس سے پھر دریافت کیا۔ اس کا وہی [illegible]
داد سے کہا "اس کی تلاشی لو۔ ہوسکتا ہے، جیب سے پڑیا نکلے۔ [illegible]
میں ہیروئن کا دھندا کرتا ہو۔"

چوہدری نے سمجھ لیا کہ اب اس کی جیب سے پڑیا برآمد [illegible]
اب بھی روشن تھا۔ وہ جھوٹ کیوں بولے، سچی گواہی کیوں چھپائے۔

اگلے ہی لمحے مولا داد کی باچھیں کھل گئیں۔ پڑیا برآمد [illegible]
نہیں تھی۔ چوہدری کی جیب سے سو کے نوٹوں کی پوری گڈی برآمد [illegible]
کترا ہے سرجی .... یہ دیکھیں"

اس نے نوٹوں کی گڈی لہرائی اور چوہدری کی گدی پر ہاتھ مار [illegible]
"کس کی جیب صاف کی ہے ؟"

"میں جیب کترا نہیں ہوں۔ یہ مجھے میرے دوست نے [illegible]"

"واہ بھئی۔ ایسے دوستوں سے تو ہمیں بھی ملوا دے۔" ایس ایچ او [illegible]

[illegible]

مولا داد نے گڈی ایس ایچ او کو دی "یہ شہادت رکھ لیں سنبھال کر سرجی۔ کام
[illegible] گی۔"

"اب تو تجھ پر کئی کیس بنیں گے بچو! یا تو پاکٹ مار ہے یا پھر کوئی غلط دھندا
[illegible]۔ یوں کوئی کسی کو دس ہزار نہیں دیتا۔" ایس ایچ او نے کہا پھر اس نے گڈی
[illegible] الٹ پلٹ کر دیکھا۔ اچانک گڈی میں سے ایک وزیٹنگ کارڈ نکل آیا۔ ایس ایچ او
[illegible] پڑھا اور مسکرایا "لو ..... ثابت ہوگیا کہ یہ پاکٹ مار ہے" اس نے مولا داد
[illegible] اور ہاتھ بھی کہاں مارا ہے ..... سیٹھ جسیم کی جیب پر۔ اب تو یہ گیا ....."
[illegible] ہدری کا دماغ جیسے روشن ہوگیا "وہی تو میرے دوست ہیں۔ انہوں نے ہی
[illegible] اور یہ کارڈ دیا تھا۔"

[illegible] جسیم اور تیرے دوست!" مولا داد نے مضحکہ اڑایا۔

"[illegible] فون نمبر بھی ہے۔ آپ میری بات کرا دیں ان سے۔"
اس کے لہجے میں یقین ایسا تھا کہ ایس ایچ او اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ لگتا تھا کہ وہ
[illegible] کرے گا مگر عین موقعے پر اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے مولا داد سے کہا
[illegible] جسیم کو فون کرکے ان سے پوچھوں گا۔ تم اسے لے جاؤ، ہاں اب ہاتھ نہ
[illegible] سے پیش آنا۔"

[illegible] یہ ان کا دوست کیسے ہوسکتا ہے ؟" مولا داد نے احتجاج کیا۔
"لگتا تو مجھے بھی نہیں۔ لیکن رسک نہیں لے سکتا۔ تم جانتے ہو کہ سیٹھ جسیم
[illegible] نیچے تو بات ہی نہیں کرتے۔ جو بھی کہہ رہا ہوں، تم وہ کرو" ایس ایچ او
[illegible]

ایس ایچ او ہر آدھے گھنٹے بعد سیٹھ جسیم کا نمبر ملاتا رہا لیکن وہ کہیں گئے ہوئے
[illegible] دس بجے ان سے بات ہوئی۔ ایس ایچ او نے اسے بتایا کہ ایک مشتبہ آدمی کی
[illegible] سو کے نوٹوں کی ایک گڈی اور آپ کا وزیٹنگ کارڈ برآمد ہوا ہے "وہ کہتا
[illegible] کہ آپ اس کے دوست ہیں۔"

"میرے دوستوں کو تم جانتے ہو" دوسری طرف سے سیٹھ جسیم نے خشک لہجے

میں کہا "کوئی مشتبہ آدمی میرا دوست کیسے ہوسکتا ہے۔"

"یہی تو میں بھی کہہ رہا تھا سرجی کہ ساحل پر مچھلی بیچنے والے سے آپ کی دوستی کیسے ہوسکتی ہے؟" ایس ایچ او نے خوش ہو کر کہا۔

"مچھلی بیچنے والا ....." دوسری طرف سیٹھ جسیم چونکا۔ "ہاں ... وہ تو آج ہی میرا دوست بنا ہے۔ تم نے پکڑ رکھا ہے اسے؟"

ایس ایچ او کی ہوا خراب ہوگئی "ارے نہیں سرجی، عزت سے رکھا ہوا ہے۔ آپ حکم کریں تو ابھی چھوڑ دوں۔"

"تم کچھ نہ کرو، میں خود آرہا ہوں" سیٹھ جسیم نے بے حد خراب لہجے میں کہا اور ریسور پٹخ دیا۔

ایس ایچ او کے ہاتھ پاؤں پھول گئے "او اس مچھلی والے کو یہاں لاؤ جلدی سے، عزت سے لانا۔ اس نے ہیڈ محرر سے کہا۔

○

چوہدری محکوم اللہ کا دل امید سے بھر گیا تھا۔ اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ بچت کی صورت نکل سکتی ہے۔ وہ تو اپنے طور پر نیکی کی ہاری ہوئی جنگ لڑ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس جوان ڈرائیور کو نہیں بچا سکے گا۔ بلکہ وہ تو خود بھی نہیں بچ سکے گا۔ یہاں جو نقصان ہونا ہے، وہ تو ہونا ہی ہے لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ دکان اس سے چھین لی جائے اور روزگار بھی جاتا رہے۔

اسے سیٹھ جسیم الدین یاد بھی نہیں تھا۔ مگر اسی کی وجہ سے اس کی بچت ہوگئی۔ ستم ظریفی یہ ہوئی کہ جن دس ہزار روپوں سے وہ چڑ رہا تھا، وہی اس کی بچت کا باعث بنے۔ نہ وہ رقم اس کی جیب سے برآمد ہوتی، نہ سیٹھ جسیم کا تذکرہ نکلتا، نہ اس کی جان بچتی۔

ایس ایچ او نے اسے دوبارہ حوالات میں بھجوا دیا تھا۔ لیکن وہ مار پیٹ سے بہرحال محفوظ ہوگیا تھا۔ البتہ مولا داد اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتا رہا تھا۔ اس بار اس نے دانت پیس کر کہا تھا۔ "یہ سیٹھ جسیم والے غبارے سے ہوا نکل جائے

چوہدری۔ پھر میں تجھے دیکھوں گا۔ تو تو کلفٹن آنا بھول جائے گا۔"

چوہدری کو امید تھی کہ ابھی سیٹھ سے ایس ایچ او کی بات ہوگی اور اسے رہائی مل جائے گی لیکن ایک گھنٹہ گزر گیا۔ کوئی خوش خبری اس کی طرف نہیں آئی۔ دو گھنٹے ہوگئے تو مولا داد کے انداز میں فاتحانہ پن اور جارحیت نمایاں ہونے لگی۔ اب تو لگتا تھا کہ کسی بھی وقت وہ اس پر پل پڑے گا۔

پھر تین گھنٹے گزر گئے۔ چوہدری کی امید کمزور پڑنے لگی۔ سیٹھ جسیم کو تو شاید وہ یاد بھی نہیں ہوگا۔ لیکن پھر خیال آیا کہ اگر سیٹھ جسیم نے اسے پہچاننے سے انکار کر دیا ہوتا تو اب تک تو وہ مولا داد کے ہاتھوں زندہ لاش بن چکا ہوتا۔

اب کے مولا داد حوالات کی طرف آیا تو اس نے دل کڑا کر کے اس سے پوچھا "سیٹھ جسیم سے بات ہوئی؟"

"بات ہوگئی ہوتی تو تو عافیت سے نہ ہوتا چوہدری۔ بس ان سے بات ہونے ہی کی دیر ہے۔"

سو چوہدری آس کے اس دھاگے سے لٹکا جھولتا رہا۔ پانچ گھنٹے ہوگئے۔ پھر اچانک اسے مولا داد تیز قدموں سے چلتا ہوا حوالات کی طرف آتا دکھائی دیا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اس نے حوالات کا دروازہ کھولا اور چوہدری کو باہر آنے کا اشارہ کیا۔ چوہدری کو ساتھ لے کر حوالات کی طرف چلتے ہوئے اس نے سخت لہجے میں کہا "چوہدری .... میرے خلاف زبان کھولنے سے پہلے یہ سوچ لینا کہ تمہیں کلفٹن میں دکان کرنی ہے اور میرے ہاتھ بہت لمبے ہیں" لیکن اس کے لہجے کی کمزوری چھپ نہیں سکی تھی۔

چوہدری ایس ایچ او کے کمرے میں داخل ہوا تو سامنے والے دروازے سے سیٹھ جسیم کمرے میں داخل ہوتا نظر آیا۔ "کہاں ہے میرا دوست .....؟" وہ ایس ایچ او سے کہہ رہا تھا۔ اچانک اس کی نظر چوہدری پر پڑی تو وہ اس کی طرف لپکا "تم کیسے ہو میرے دوست ..... میرے محسن!" اس نے چوہدری کو لپٹا لیا "مجھے بتاؤ، بات کیا تھی؟"

چوہدری کے کچھ کہنے سے پہلے ہی ایس ایچ او بول اٹھا "کچھ نہیں ..... معمولی سی بات تھی سرجی۔ آپ تشریف رکھیں، میں بتاتا ہوں۔"

"تم چپ رہو۔ میں چوہدری سے بات کر رہا ہوں۔"

سیٹھ جسیم نے چوہدری کو اپنے ساتھ ہی بٹھالیا۔ چوہدری نے الف سے ے تک پوری داستان سنا دی۔ ایس ایچ او اور مولا داد کے چہرے فق ہو گئے۔ سیٹھ جسیم غصے سے پھنکار رہا تھا۔ "تو یہ کالے دھندے ہیں تم لوگوں کے" اس نے کہا "اور معصوم لوگوں پر ظلم کرتے ہو ..... صرف پیسے کی خاطر!"

"مم ..... میں ..... میں بے قصور ہوں جناب!" ایس ایچ او ہکلانے لگا "مجھے تو یہ سب کچھ معلوم ہی نہیں تھا۔"

"یہ کہہ کر جان چھڑا لو گے تم۔ تم انچارج ہو اس تھانے کے۔ پورے علاقے کے ذمے دار ہو" سیٹھ جسیم نے غصے سے کہا "تمہارے اپنے آدمی بدکاری کو فروغ دے رہے ہیں" پھر اچانک اسے کچھ خیال اور وہ چوہدری کی طرف مڑا "دوست' انہوں نے تمہیں مارا پیٹا تو نہیں ؟"

اس پر مولا داد بلبلا اٹھا "وہ جناب ..... ضابطے کی کارروائی تو کرنی تھی۔"

"میں اپنے دوست سے بات کر رہا ہوں۔ تم خاموش رہو" سیٹھ جسیم نے اسے ڈانٹ دیا۔

چوہدری بچپن میں اپنے باپ کے ہاتھ پٹا تھا مگر وہ پٹائی اس مار کے سامنے کچھ بھی نہیں تھی اور بچپن کے بعد سے اب تک کسی نے اسے ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔ اسے اپنی مرمت یاد آئی۔ اس کے ساتھ ہی اسے احساس ہوا کہ مار پیٹ کی وجہ سے اس کا پورا جسم دکھ رہا ہے۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ مگر اسے مولا داد کی دھمکی بھی یاد آئی۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "جانے دیں جسیم صاحب' جو ہو گیا سو ہو گیا۔"

اس کے آنسو دیکھ کر جسیم تڑپ گیا "نہیں چوہدری دوست' تم مجھے بتاؤ کہ تمہیں کس نے مارا تھا؟"

چوہدری سے بولا تو نہیں گیا۔ اس نے مولا داد کی طرف اشارہ کیا۔

"میں تمہیں دیکھ لوں گا" سیٹھ مولا داد پر دہاڑا "ایک ایک چوٹ کا حساب لوں گا تم سے" پھر وہ ایس ایچ او کی طرف مڑا "اس کا رینک کیا ہے ؟"

"کانسٹیبل ہے جناب!"

"بڑا بااختیار کانسٹیبل ہے" سیٹھ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "تمہیں کچھ معلوم نہیں ہوتا اور یہ سب کچھ کرتا رہتا ہے۔ ایس ایچ او تو یہ ہوا نا۔ بڑی ڈھیل دے رکھی ہے اسے۔ لگتا ہے' اس کے کالے دھندوں میں تم بھی حصے دار ہو۔"

"میں بے قصور ہوں جناب!" ایس ایچ او گڑگڑایا "یہ مجھ پر اوپر سے مسلط کیا گیا ہے۔ میں کیا کروں' میرے بس میں ہوتا تو میں اسے یہاں ایک دن بھی برداشت نہ کرتا۔"

"اوہ ..... تو ذرا اس کا حدود اربعہ بتاؤ۔"

"رہنے دیں سیٹھ جی۔ مجھے بھی نوکری کرنی ہے" ایس ایچ او نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔ تم مجھے بتاؤ۔" سیٹھ نے اصرار کیا "مجھے نہیں جانتے تم ؟"

"یہ جناب ..... اپنے ایس پی صاحب کا سالا ہے۔"

سیٹھ نے ایس پی سے فون پر بات کی۔ اسے خوب جھاڑا۔ مولا داد کو معطل کرایا۔ ڈرائیور کو بھی رہائی مل گئی۔ پھر وہ چوہدری کو لے کر چلنے لگا۔ ایس ایچ او نے دونوں ہتھیلیوں پر نوٹوں کی گڈی اور سیٹھ کا وزیٹنگ کارڈ رکھ کر چوہدری کو پیش کیا "یہ سر جی آپ کی رقم۔ میں معافی چاہتا ہوں آپ سے۔"

چوہدری نے بادل ناخواستہ گڈی پھر جیب میں رکھ لی۔ وہ باہر آئے۔ سیٹھ نے اسے اپنی گاڑی میں بٹھالیا۔ اپنی دکان کے سامنے گاڑی سے اترنے سے پہلے چوہدری نے سیٹھ سے کہا "آپ کا شکریہ جناب! ورنہ میرا نہ جانے کیا حشر ہوتا۔"

"میں نے کہا تھا نا کہ اب تم میرے دوست ہو" سیٹھ نے مسکراتے ہوئے کہا "اور اب کہہ رہا ہوں کہ اس علاقے میں کیا' پورے شہر میں تم کو کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔ اب تم جاؤ' ہاں ..... کل بارہ بجے مچھلی تیار رکھنا۔"

اکبر نے چوہدری کا بے حد پرتپاک خیر مقدم کیا۔ "سیٹھ' تم تو ایک دن میں بڑے آدمی ہو گئے۔ تھانے سے کسی کو اس طرح آتے کبھی نہیں دیکھا تھا۔"

چوہدری نے دل میں سوچا۔ "اندر کا حال تجھے کہاں معلوم ہے۔"

"پر سیٹھ تمہیں کسی کے پھڈے میں ٹانگ اڑانے کی کیا ضرورت تھی یہ سین تو یہاں روز ہوتے رہتے ہیں۔ تم پہلے کبھی اس طرح نہیں کودے تھے۔" اکبر بولا۔

"کبھی کبھی دماغ خراب ہو جاتا ہے بچے!"

"اچھا سیٹھ، اب اپنا گلا سنبھالو اور مجھے چھٹی دو۔ میں بہت تھک گیا ہوں۔ آج دھندا بھی بہت زیادہ تھا۔ لاؤ مجھے پیسے دو۔"

چوہدری کا جسم بری طرح دکھ رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "تو خود ہی لے لے نا!"

"تم جانتے ہو سیٹھ۔ اکبر پیسے ڈالنے کے لیے گلا کھولتا ہے۔ پیسے نکالتا نہیں ہے۔" اکبر نے فخریہ لہجے میں کہا۔

"چوہدری جانتا تھا کہ اکبر مثالی ایمان دار آدمی ہے۔ اس نے گلے میں سے دو سو روپے نکال کر اسے دیئے۔ وہ چلا گیا۔ چوہدری دکان بند کرنے میں مصروف ہو گیا۔ اس نے گلے کی رقم گنی تو حیران ہوا۔ اس روز کی سیل چار ہزار چھ سو روپے تھے۔ ورنہ دو اور تین کے درمیان ہوتی تھی۔

گھر جانے کے لیے بس میں بیٹھ کر وہ اس دن کے بارے میں سوچتا رہا۔ کیسا عجیب...... اور سخت دن گزرا تھا۔ صبح سے وہ نیکی کے لیے جھک مارتا رہا لیکن بات نہ بنی۔ شاید اس محرومی ہی کی وجہ سے وہ اس پرائی آگ میں کود پڑا تھا۔ اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ اس نے بہت بڑی حماقت کی تھی، مگر وہ ایک غیر معمولی بات بھی تھی کیونکہ اس سے پہلے وہ پولیس کے چکر سے بہت دور رہتا تھا۔ کیسا خطرناک اور تلخ تجربہ ہوا ہے۔

پھر اسے خیال آیا کہ اتنی بڑی مشکل کیسے آسان ہو گئی۔ یقیناً اللہ نے اس کی مدد کی۔ شاید اس لیے کہ وہ اللہ کے حکم پر عمل کر رہا تھا۔ اس نے حق کے لیے آواز اٹھائی۔ جھوٹ کے خلاف کھل کر بولا۔ سچی گواہی دی، وہ ایسا تو نہیں۔

بہرکیف اس نے فیصلہ کیا کہ آئندہ ایسی غلطی کبھی نہیں کرے گا لیکن اس نے یہ عزم بھی کرلیا کہ نیکی کا خیال نہیں چھوڑے گا۔ ایک نیکی تو اسے کرنی ہے۔

○

سعید ویڈیو والے پر وہ افتاد اچانک ہی آئی تھی۔

وہ گاہکوں کے واپس لائے ہوئے **کیسٹوں** کی رجسٹر میں انٹری کر رہا تھا کہ اچانک کسی نے اس کی گردن پکڑ لی۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ نعمان تھا۔ اسے حیرت ہوئی، نعمان پہلی بار اس کی دکان پر آیا تھا اور آتے ہی گردن پکڑ لی تھی۔ "کیا بات ہے نعمان بھائی۔ خیریت تو ہے؟" اس نے بے حد رسان سے پوچھا۔

"ابھی پتا چل جائے گا۔" نعمان نے کہا۔ پھر اپنے دس سالہ بیٹے کو ہاتھ پکڑ کر آگے کیا۔ "رضوان .... اسی سے لے کر گیا تھا یہ کیسٹ؟" رضوان نے اثبات میں سرہلادیا۔ وہ خوف زدہ لگ رہا تھا۔

تب سعید کی نظر رضوان پر پڑی۔ رضوان کبھی کبھار اس سے کیسٹ لے جاتا تھا۔ اب بھی بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی "بات کیا ہے نعمان بھائی؟"

"بات پوچھتا ہے۔ میں تیرا خون پی جاؤں گا۔" نعمان حلق کے بل دہاڑا "یہاں محلے میں بیٹھ کر یہ کالا دھندا کرتا ہے تو۔ محلے کی بہنوں بیٹیوں کو خراب کرنا چاہتا ہے۔"

نعمان کی آواز سن کر لوگ جمع ہونے لگے۔ دو منٹ میں وہاں مجمع لگ گیا۔ سعید کی نظر کیسٹ پر پڑی تو اس کا دم نکل گیا۔ وہ تو وہی کیسٹ تھی، جو صبح اس سے نعمان کی بیٹی لے کر گئی تھی.... کیا نام تھا لڑکی کا .... ہاں، رضیہ۔

اس نے بہت تیزی سے سوچنے کی کوشش کی۔ یہ تو بہت بڑا وبال معلوم ہو رہا تھا۔ اچھی بات یہ تھی کہ وہ اس طرح کے **کیسٹوں** پر اپنی دکان کے نام کا اسٹکر نہیں لگاتا تھا اور وہ ایسے **کیسٹوں** کو رجسٹر میں بھی درج نہیں کرتا تھا۔

"کیا ہوا نعمان بھائی؟" مجمع میں سے کسی نے پوچھا۔

"ارے بھائی' یہ حرام زادہ محلے میں بیٹھ کر فحاشی کا کاروبار کر رہا ہے۔" نعمان نے گرج کر کہا۔ "میری بچی کبھی کبھی کوئی کیسٹ منگا لیتی ہے۔ آج اس نے رضوان سے فلم منگوائی تو اس کمینے نے یہ گندی فلم بھیج دی۔ میری بیٹی تو اس وقت سے رو رہی ہے۔"

"یہ گندی فلم ہے۔" مجمع میں سے اشتیاق آمیز آوازیں ابھریں۔ "یقین نہیں آتا۔"

"نعمان بھائی! میری بات سنیں" سعید نے پر اعتماد لہجے میں کہا۔ "مجھے نہیں معلوم کہ یہ گندی فلم ہے یا نہیں۔ میں بس اتنا جانتا ہوں کہ یہ میری دکان کی کیسٹ نہیں ہے۔"

"تو میرا بچہ جھوٹ بول رہا ہے؟" نعمان نے تڑپ کر کہا "بیٹے رضوان' بتا نا۔ آپا نے کہا تھا' صبح آپ ہی سے..." دس سالہ رضوان کہتے کہتے صرف ایک ثانیے کو رکا۔ یہ بات صرف سعید ہی سمجھ سکا تھا کہ وہ کیوں رکا ہے۔ اس کے منہ سے سچی بات نکل رہی تھی۔ وہ بتانے والا تھا کہ صبح وہ آپ ہی سے کیسٹ لے کر گئی تھی۔ پھر اس نے فوراً ہی جملہ مکمل کیا "...... میں کیسٹ لے کر گیا تھا۔"

"دیکھئے نعمان بھائی' بچے سے بھول ہو رہی ہے۔ یہ میری دکان کی کیسٹ ہی نہیں۔"

"یہ کوئی دودھ پیتا بچہ نہیں ہے۔ دکان کیسے بھول سکتا ہے؟" نعمان نے دہاڑ کر کہا۔

"پہلے یہ تو دیکھ لو کہ یہ بلیو فلم ہے بھی یا نہیں۔" مجمع میں سے کسی نے کہا۔

"تو کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں۔" نعمان نے مجمع پر آنکھیں نکالیں۔ کیونکہ یہ معلوم نہیں تھا کہ بولنے والا کون ہے۔

"ابھی پتا چل جائے گا نعمان بھائی۔ آپ برا کیوں مانتے ہیں۔" ایک اور شخص نے کہا۔

"ہاں ہاں .... کیسٹ چلا کر دکھاؤ۔" مجمعے میں سے کئی آوازیں ابھریں۔

"اس کی کیا ضرورت ہے؟ نعمان بھائی نے دیکھ کر ہی کہا ہوگا۔" سعید نے گھبرا

کر کہا۔

"نہیں .... کیسٹ چلاؤ۔" لوگوں نے بے تابی سے مطالبہ کیا۔

سعید مجبور ہوگیا۔ اس کی دکان میں وی سی آر بھی تھا اور کلر ٹی وی بھی۔ اس نے کیسٹ لگایا اور پلے کا بٹن دبا دیا۔ ایک لمحے کے بعد ٹی وی پر جو سین نظر آیا' اسے دیکھ کر مجمع دم بخود ہوگیا اور نعمان آپے سے باہر۔ دیکھنے والوں میں کچھ لوگ لاحول پڑھے جا رہے تھے۔ مگر ٹی وی اسکرین سے نظریں کسی کی نہیں ہٹ رہی تھیں۔ ایسے میں نعمان سعید پر ٹوٹ پڑا اور اسے مارنے لگا۔ سعید نے خود کو بچانے کی کوشش کی اور جلدی سے وی سی آر کو آف کر دیا۔ اتنی دیر میں نعمان دکان کا شٹر گرانے والا سریا اٹھا چکا تھا۔ اس نے وہ سریا سعید کے سر پر مار دیا۔

شاید اسکرین تاریک ہونے کے نتیجے میں لوگوں کو ہوش آیا۔ انہوں نے دیکھا کہ سعید کے سر سے خون بہہ رہا تھا اور نعمان ایک اور وار کرنے والا تھا۔ کچھ لوگوں نے اسے دبوچ لیا اور سریا اس سے چھین لیا۔ اتنی دیر میں سعید کا چہرہ خون میں نہا گیا تھا۔

"تم لوگوں نے دیکھا؟" نعمان بری طرح چیخ رہا تھا "اس حرام زادے نے یہ کیسٹ میرے گھر بجھوائی۔ میری بچی یہ دیکھ رہی تھی۔"

اس پر کچھ لوگوں نے تاسف بھرے تبصرے کیے۔ ایک شخص بولا۔ "سعید کی فکر کرو۔ سر کا زخم ہے' اسے ہسپتال لے جانا ضروری ہے۔"

"پہلے تھانے میں رپورٹ درج کرانی ہوگی۔" دوسرے نے کہا۔ "یہ پولیس کیس ہے۔ ایف آئی آر کے بغیر کوئی مرہم پٹی نہیں کرے گا۔"

یہ سنتے ہی سعید نے تڑپ کر کہا۔ "اس کی ضرورت نہیں' معمولی چوٹ ہے۔ میں نعمان بھائی کی بہت عزت کرتا ہوں۔ انہیں پولیس کے چکر میں نہیں پھنسانا چاہتا۔ انہوں نے غلط فہمی میں مجھے مارا ہے۔ یہ میری دکان کا کیسٹ نہیں۔"

"میں یہ بات نہیں مانتا۔" نعمان اب بھی آپے سے باہر ہو رہا تھا "نہ میرا بچہ نادان ہے' نہ جھوٹا ہے۔"

"پولیس کو بلاؤ" مجمعے میں سے کسی نے کہا۔

"میں کہہ رہا ہوں کہ اس کی ضرورت نہیں۔ یہ ہماری آپس کی بات ہے۔" سعید نے کہا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ کسی بچے نے اس کی بیوی کو جھگڑے اور اس کا سر پھٹنے کے متعلق بتا دیا ہے اور اس کی بیوی تھانے کی طرف دوڑ گئی ہے۔

محلے کے ایک مدبر بزرگ نے کہا۔ "اس معاملے کا حل کیا ہے۔ سعید تو اس کیسٹ سے انکاری ہے۔ نعمان، تم چاہتے کیا ہو؟"

"میں اس خبیث کا خون پی جانا چاہتا ہوں۔ میں اسے قتل کر دینا چاہتا ہوں۔" نعمان کا غصہ اب بھی سرد نہیں ہوا تھا۔

اس وقت چوہدری تھکا ہارا اپنے گھر کی طرف جا رہا تھا۔ سعید کی دکان پر بھیڑ لگی دیکھ کر اس کا ماتھا ٹھنکا۔ کہیں خدانخواستہ .... وہ تیز قدموں سے دکان کی طرف چل دیا۔ وہاں جو منظر دکھائی دیا، وہ اس کے خدشات کے برعکس لیکن اتنا ہی سنگین تھا۔ سعید کا خون میں نہایا ہوا چہرہ دیکھ کر وہ تڑپ گیا اور ہجوم کے درمیان جگہ بناتا ہوا آگے بڑھا۔ "یہ کیا ہوا سعید کو؟ اسے تو بخار بھی تھا۔"

"اسے نعمان بھائی نے مارا ہے۔" ایک لڑکے نے بتایا۔

چوہدری کا نیکی کو ترسا ہوا دل گداز ہوگیا۔ وہ سعید کے لئے ہمدردی سے سرشار ہوگیا "کیوں مارا ہے نعمان نے اسے۔"

"ٹرپل ایکس مووی کا چکر ہے" کسی نے کہا۔ دوسرے لوگوں نے مل کر تفصیل سنا دی۔

چوہدری اس وقت تک دکان کے دروازے پر پہنچ چکا تھا۔ ٹرپل ایکس سن کر اس کے ذہن میں روشنی کا جھماکا سا ہوا۔ "وہ تو میرے سامنے ہی دی تھی سعید نے۔" اس نے کہا۔

یہ سن کر نعمان خود کو چھڑانے اور سعید پر دوبارہ پل پڑنے کے لیے زور لگانے لگا۔ "دیکھا .... میں نے کہا تھا نا، اب چوہدری صاحب تو جھوٹ نہیں بولیں گے۔"

"یہ جھوٹ ہے۔" سعید نے مرے مرے لہجے میں کہا۔

"آپ کو کیسے معلوم ہے یہ بات؟" مدبر محلے دار نے چوہدری سے پوچھا۔

"سعید کو بخار تھا نا۔ میں اس کی عیادت کے لئے گلدستہ لے کر آیا تھا۔ میں

نے سب دیکھا اور سنا تھا۔ سعید نے اس شو کیس سے کیسٹ نکال کر دیا تھا۔" چوہدری نے اشارے سے بتایا۔

چند پرجوش نوجوان دکان میں گھس گئے۔ انہوں نے اس شو کیس میں ہاتھ ڈالا۔ وہاں چوہدری کا لایا ہوا گلدستہ بھی موجود تھا۔ اس کے علاوہ وہاں سے بیسیوں کیسٹ بھی نکلے۔ ان پر سعید کی دکان کے نام کا اسٹکر بھی نہیں تھا۔

"لو دیکھ لو" نعمان نے فاتحانہ لہجے میں کہا "اب یہ کہے گا کہ یہ کیسٹ بھی اس کی دکان کے نہیں ہیں۔"

لڑکوں نے کیسٹ لگا کر دکھائے۔ وہ سب کی سب بلیو فلمیں تھیں۔ چوہدری انہیں دیکھ کر چکرا گیا اور دونوں ہاتھوں سے اپنے رخسار پیٹنے لگا "توبہ... توبہ..." اس نے کہا "میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ شریف گھروں کی لڑکیاں ایسی فلمیں دیکھتی ہوں گی۔"

"اب بولو۔ سچ کہہ رہا تھا نا میرا بچہ۔ رضوان اسی سے کیسٹ لے کر گیا تھا۔ چوہدری صاحب اس بات کے گواہ ہیں۔"

اس پر چوہدری کے کان کھڑے ہوئے۔ اس نے پلٹ کر نعمان کو دیکھا "تم کس بیٹے کی بات کر رہے ہو؟"

نعمان نے اپنے بیٹے رضوان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "یہ میرا بیٹا رضوان ہے۔ یہ کوئی انڈین فلم لینے آیا تھا اور سعید نے یہ منحوس اور ناپاک کیسٹ دی تھی۔ آپ تو گواہ ہیں اس کے۔"

چوہدری حق گوئی کا حق ادا کرنے پر تلا ہوا تھا۔ اس نے کہا۔ "نعمان... تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ تمہارا بیٹا اس دکان پر نہیں آیا تھا۔"

نعمان نے حیرت سے اسے دیکھا۔ "ابھی آپ نے ہی کہا چوہدری صاحب کہ...."

چوہدری نے اس کی بات کاٹ دی۔ "کیسٹ لینے تمہاری بیٹی رضیہ آئی تھی نعمان!"

یہ سن کر نعمان نے چوہدری پر جھپٹنے کی کوشش کی۔ "یہ" چوہدری سعید نے کہا

ہوا ہے۔ میری بچی کو بدنام کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔"

اس پر چوہدری نے رضیہ اور سعید کی پوری گفتگو دہرا دی۔ سعید کا انکار کہ وہ ایسی فلمیں نہیں رکھتا' اس پر رضیہ کی طرف سے شہباز کا حوالہ۔ پھر رضیہ کی دھمکی اور سعید کی بے بسی اور اس نے آخر میں کہا۔ "مجھے تو اس وقت ٹرپل ایکس کا مطلب ہی معلوم نہیں تھا۔ ورنہ میں اس بچی کی پٹائی بھی کر دیتا۔"

"مجھے لگتا ہے' یہ چوہدری بھی اس گندے کاروبار میں ملوث ہے۔" نعمان نے کہا۔

"چوہدری صاحب کی بات ٹھیک ہی لگتی ہے" ایک نوجوان بولا "بہت لوگوں کو معلوم ہے کہ رضیہ اور شہباز کے درمیان چکر چل رہا ہے اور شہباز گندی فلمیں دیکھتا ہے.... بابر کے گھر جا کر اور میں نے کئی بار رضیہ کو بھی بابر کے ہاں جاتے دیکھا ہے۔"

نعمان نے خود کو چھڑایا اور چوہدری کے بھی دو چار ہاتھ دھر دیے۔ پھر لوگوں نے اسے قابو میں کرلیا۔

چند اور لڑکے بھی رضیہ اور شہباز کے راز فاش کرنے لگے۔ اب نعمان ان لوگوں سے تو نہیں لڑ سکتا تھا۔ "یہ میری بچی کو بدنام کیا جا رہا ہے۔"

محلے کے مدبر بزرگ نے سعید سے کہا۔ "چوہدری صاحب کی بات کے بعد بہتر یہی ہے کہ تم سچ بول دو۔"

"چوہدری جھوٹ بول رہا ہے۔" سعید نے چوہدری کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے بے حد نفرت سے کہا۔ "رضیہ میری دکان پر کبھی نہیں آئی۔ میں نے تو نعمان کی بیٹی کو کبھی دیکھا بھی نہیں اور میں سچ کہتا ہوں کہ یہ کیسٹ میری دکان کی نہیں ہے۔"

"یہ اتنے کیسٹ نکلنے کے بعد بھی تم یہی کہو گے؟" مدبر بزرگ نے کہا۔

سعید صرف ایک لمحے کو پریشان ہوا پھر اس نے کہا۔ "یہ بھی میرے نہیں۔ ایک شخص میرے پاس لایا تھا بیچنے کے لئے۔ میں نے کہا' دیکھ کر خریدوں گا' دیکھنے کی مجھے فرصت نہیں ملی۔"

چوہدری سعید کی ڈھٹائی پر حیران رہ گیا۔ "سعید .... جھوٹ بولنے کا فائدہ ؟"

"سعید جھوٹ نہیں بول رہا ہے' جھوٹا تو ہے چوہدری ! نعمان نے چوہدری کو للکارا۔

صورت حال پیچیدہ ہوگئی تھی۔ مدبر بزرگ نے کہا۔ "پولیس کو بلاؤ بھئی' یہ معمہ پولیس ہی حل کرے گی۔"

"جی ہاں۔ ویسے بھی یہ پولیس کیس ہے۔" کسی نے ان کی تائید کی۔

"پولیس کیس کیسے ہے ؟" نعمان نے تڑپ کر کہا "سعید نے کہا تھا کہ یہ ہماری آپس کی بات ہے' کیوں سعید؟"

"ہاں نعمان بھائی۔ مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں۔" سعید نے بہت خلوص سے کہا۔ "اور چوہدری کو تو ہم دیکھ لیں گے۔"

چوہدری دنیا کی نیرنگی پر اش اش کر رہا تھا کہ پولیس آگئی۔ پولیس کے لئے تو وہ بہت ہی گرم کیس تھا۔ انہوں نے نعمان اور سعید کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ چوہدری جانے کے لئے پلٹا تو اسے ایس آئی نے کہا۔ "تم کہاں جا رہے ہو چوہدری۔ تمہیں بھی تھانے چلنا ہے۔"

چوہدری کا یہ سن کر دم نکل گیا۔ "کیوں جناب؟"

"تم بہت اہم گواہ ہو۔"

لیکن تھانے پہنچنے پر صورتحال بدل گئی۔ نعمان اور چوہدری تھانے میں تھے۔ سعید کو دو کانسٹیبل مرہم پٹی کے لئے لے گئے تھے۔ وہ وہاں سے آیا تو تفتیش شروع ہوگئی۔ یہ جان کر چوہدری کے دیوتا کوچ کر گئے کہ نعمان اور سعید اس کے خلاف یکجا ہوگئے ہیں۔ وہ اسے مجرم بنانے پر تلے ہوئے تھے۔

سر' مجھے چوہدری نے آکر بتایا کہ سعید نے میری بیٹی کو گندی کیسٹ دی ہے۔" نعمان نے کہا۔ "اس پر میں مشتعل ہوگیا اور میں نے اس کے سر پر سریا مار دیا۔"

"جبکہ نعمان بھائی کی بیٹی میری دکان پر کبھی نہیں آئی۔ میں اسے جانتا ہی نہیں

ہوں۔" سعید نے فریاد کی۔

"اور جو بغیر سٹیکر کی فلمیں برآمد ہوئی ہیں تمہاری دکان سے۔" تفتیش کرنے والے، ایس آئی نے اسے گھورا۔

"وہ تو چوہدری صاحب میرے پاس رکھوا کر گئے تھے۔ کہہ رہے تھے، دیکھ لینا۔ اچھی لگیں تو خرید لینا۔ مجھے تو سر، پتہ ہی نہیں تھا کہ وہ بلیو فلمیں ہیں۔"

"خدا کا خوف کر سعید!" چوہدری نے بلبلا کر کہا۔ "میرے گھر میں تو وی سی آر ہے ہی نہیں۔"

"تمہارے گھر میں سمندر ہے نہ دریا ہے، نہ ندی ہے اور نہ کوئی جھیل۔ پھر بھی تم مچھلی کا کاروبار کرتے ہو۔" سعید نے کہا۔

ایس آئی نے چوہدری کو گھورا۔ "تم وہ کیسٹ کہاں سے لائے تھے؟"

"آپ اس جھوٹے کی بات کا یقین نہ کریں تھانیدار جی۔ یہ جھوٹ بول رہا ہے۔"

"سر جی، یہ دس بجے میری دکان پر آیا تھا۔ اس کا لایا ہوا گلدستہ تو دیکھا ہے نا آپ نے۔"

"ایس آئی نے ایک ہیڈ کانسٹیبل کو بلایا اور کہا۔ "ان تینوں کو حوالات میں بند کر دو۔"

"مجھے کیوں جناب، میں تو گواہ ہوں۔" چوہدری نے احتجاج کیا۔

"اب صورت حال بدل گئی ہے۔ اب تو لگتا ہے کہ تم بڑے مجرم ہو۔" ایس آئی نے فیصلہ سنایا۔ "لے جاؤ انہیں۔"

○

چوہدری محکوم اللہ کا بہت برا حال تھا۔ ایک ہی دن میں وہ دوسرا موقع تھا کہ سچ بولنے، حق کا ساتھ دینے اور سچی گواہی دینے کی وجہ سے وہ حوالات میں محبوس ہوا تھا۔ اس بار بہرحال اس کے ساتھ مار پیٹ نہیں ہوئی تھی۔ لیکن دن بھر کی تھکن کے بعد اس وقت جب اسے نیند کی اور اس کے جسم کو آرام کی ضرورت تھی، یہ قید

اسے بہت بری لگ رہی تھی۔ اس کا جسم بری طرح ٹوٹ رہا تھا۔ وہ گھر جا کر بستر پر گر جانا چاہتا تھا۔

اس نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ ڈیڑھ بجا تھا۔ حوالات میں بند ہوئے بھی اسے ڈیڑھ گھنٹے سے زیادہ ہو چکا تھا۔ پولیس والے بھی انہیں حوالات میں ڈال کر گویا بھول گئے تھے۔ یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ جان کیسے چھوٹے گی؟ پولیس والے چاہتے کیا ہیں؟

بہرحال وہ مایوس نہیں تھا۔ بلکہ پرامید تھا۔ کم از کم یہاں کی صورت حال کلفٹن کی صورت حال کے مقابلے میں تو بہت بہتر تھی۔ اور اللہ نے اسے وہاں سے کیسی آسانی سے نجات دلا دی تھی۔ مرمت تو اس کی بہت ہوئی تھی مگر یہ کم نہیں تھا کہ وہ عزت سے تھانے سے نکل آیا تھا۔ اللہ یہاں بھی مدد کرے گا، وہ مسبب الاسباب ہے۔

اسے یہ الجھن بھی پریشان کر رہی تھی کہ سعید اور نعمان دونوں ہی اس سے برگشتہ ہو گئے اور ایک دوسرے کے حلیف بن گئے۔ کیوں؟ جبکہ ذرا دیر پہلے نعمان نے سعید کا سر پھاڑا تھا۔ پھر ان میں یہ ایکا کیسا؟ اور وہ دونوں مل کر اسے پھنسانے کی کوشش کر رہے تھے۔

بالآخر اس سے رہا نہیں گیا۔ اس نے سعید سے پوچھا۔ "سعید .... تم مجھ سے دشمنی کیوں کر رہے ہو؟"

دشمن سے دشمنی ہی کی جاتی ہے۔" سعید نے بے رخی سے کہا۔

"مگر میں تو تمہارا دوست ہوں۔ تمہیں خون میں نہایا ہوا دیکھ کر تڑپ گیا تھا۔"

"نادان دوست کہو چوہدری اور نادان دوست دشمن سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ تم نے کیسٹ کی گواہی دے کر میرے ساتھ دشمنی نہیں کی .... اور تم نے میری تمام کیسٹیں بھی پکڑوا دیں۔"

"اور تم نے انہیں میرے کھاتے میں ڈال دیا۔" چوہدری نے شکایتاً کہا۔ "تم نے جھوٹ بولا۔"

"خود کو بچانے کے لیے میں اور کیا کرتا؟"

"اور نعمان نے تمہارا سر پھاڑا تھا' پھر بھی تم اس کا ساتھ دے رہے ہو؟"

"یہ مصلحت ہے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ یہ بات بڑھے۔ اس لیے سر پھٹنے کے باوجود میں نہیں چاہتا تھا کہ تھانے پولیس کی نوبت آئے۔ اس لیے میں نے رضیہ کا نام بھی نہیں لیا۔"

نعمان سے کچھ پوچھنا ہی فضول تھا۔ چوہدری اس کا نکتہ نظر سمجھ سکتا تھا۔ اس کی تو عزت کا معاملہ تھا۔ اس کی بیٹی کی بدنامی ہو رہی تھی۔

دو بجے متعلقہ ایس آئی تفتیش کے لئے حوالات میں آیا۔ پوچھ گچھ ہوئی تو چوہدری اکیلا رہ گیا۔ وہ خود بھی اپنے کو جھوٹا سمجھنے پر مجبور ہوگیا۔ نعمان اور سعید نے کیس ہی بدل دیا تھا۔ سعید نے ٹرپل ایکس کیسٹوں کو چوہدری سے منسوب کر دیا۔

"میں تو یہ گندا دھندا کرتا ہی نہیں ہوں۔ اور چوہدری کے دیئے ہوئے کیسٹ میں نے دیکھے ہی نہیں تھے۔"

"اور تم کس کیسٹ کی شکایت لیکر سعید سے لڑنے گئے تھے؟" ایس آئی نے نعمان سے پوچھا۔

"کیسٹ کی تو کوئی بات ہی نہیں تھی۔" نعمان نے حیرت ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"تو پھر تم نے اس کا سر کیوں پھاڑا؟"

"وہ تو پیسوں کا جھگڑا تھا۔ سعید نے مجھ سے قرض لیا تھا اور واپس نہیں کر رہا تھا' مجھے اس پر غصہ آگیا۔"

ایس آئی اب چوہدری کی طرف مڑا۔ "تم کب سے یہ دھندا کر رہے ہو؟"

اب چوہدری کو طرارہ آگیا۔ بلاوجہ اسے گندگی میں لتھڑا جا رہا تھا۔ "یہ سعید جھوٹ بول رہا ہے۔ میرا ان کیسٹوں سے کوئی تعلق نہیں۔ سعید ہی یہ گندا کاروبار کرتا ہے اور جو جھگڑا نعمان اور سعید کے درمیان ہو رہا تھا' اس کی وجہ ایسی ہی ایک کیسٹ تھی۔ اس کے گواہ محلے کے تمام ہی لوگ ہیں۔ کسی سے بھی پوچھ لیجئے۔" یہ کہہ کر چوہدری نے جھگڑے کی پوری تفصیل سنا دی۔

سب کچھ سن کر ایس آئی کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اس نے اے ایس آئی شفقت کو بلایا۔ "تم اصل گواہ کو چھوڑ آئے ہو۔" اس نے شفقت سے کہا۔ "اب

شاید موقعے کا کوئی گواہ تو تمہیں نہیں ملے گا۔ ایسا کرو' نعمان کا بیٹا ہے دس سال کا' رضوان نام ہے۔ تم اسے لے کر آؤ فوراً۔"

"موقعے کا ایک گواہ بھی لے آؤں گا۔ ایک لڑکا ہے جنید۔" شفقت نے کہا۔

اس پر نعمان اور سعید کے چہرے فق ہو گئے۔ "بات کیوں بڑھاتے ہو حوالدار جی!" نعمان نے کہا۔ "ہم بتا رہے ہیں نا۔۔۔"

"اور ہمیں تفتیش کرنی ہے تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے۔" ایس آئی نے خشک لہجے میں کہا۔ "شفقت تم جاؤ اور انہیں لے آؤ۔"

دس منٹ بعد گواہ جنید اور رضوان تھانے میں موجود تھے۔ ادھر لال دین کی قیادت میں چوہدری کی گلی کے کچھ لوگ چوہدری کو چھڑانے کیلئے بھی آ گئے۔ لال دین اثر و رسوخ والا آدمی تھا اس لئے بڑھ چڑھ کر بول رہا تھا۔ "میں جانتا ہوں انسپکٹر صاحب چوہدری میرا پڑوسی ہے۔ یہ کوئی غلط دھندا نہیں کرتا۔ یہ نیک اور شریف انسان ہے۔"

"مجھے بھی لگتا ہے کہ یہ بے قصور ہے۔" ایس آئی نے کہا۔ "لیکن پلیز' ہمیں تفتیش کرنے دیں۔"

تفتیش بہت مختصر ثابت ہوئی۔ رضوان پہلے تو وہی بات کہتا رہا کہ کیسٹ لینے وہ گیا تھا لیکن دو تھپڑ پڑے تو اس نے سچ اگل دیا۔ چوہدری کے بیان کی تائید ہو گئی۔ ادھر جنید نے بیان دیا کہ جھگڑا ایک گندی کیسٹ پر ہو رہا تھا۔

"اب تو مجھے تمہاری بیٹی رضیہ کو بھی تھانے بلوانا پڑے گا۔" ایس آئی نے نعمان سے کہا۔

نعمان گڑگڑانے لگا۔ "خدا کے لئے' مجھ پر رحم کریں۔ میری ایک بات سن لیں۔"

علیحدگی میں کوئی بات ہوئی اور معاملہ صاف ہو گیا۔ نعمان اور سعید کو تو اس وقت نہیں چھوڑا گیا مگر چوہدری کو رہائی مل گئی۔

گھر کی طرف جاتے ہوئے چوہدری نے لال دین سے کہا۔ "تمہارا شکریہ لال دین' تمہیں میرا اتنا خیال ہے۔"

"بھئی تم میرے پڑوسی ہو' اور بہت اچھے پڑوسی ہو۔ میں تمہیں دکھ یا میں تو نہیں دیکھ سکتا۔" لال دین نے بے حد خلوص سے کہا۔

"لیکن تم اچھے پڑوسی نہیں ہو۔ تم نے محلے والوں کے سروں پر مرغی خانہ رکھا ہے' جو سراسر ناجائز ہے۔"

"وہ اپنی جگہ چوہدری۔ بات تمہاری سچی ہے لیکن میری مجبوری ہے۔ ویسے میں ایک زمین خریدنے کے چکر میں ہوں۔ سودا پٹ گیا تو مرغی خانے لے جاؤں گا یہاں سے۔"

"اسی میں تمہاری بہتری ہے۔" چوہدری نے بے حد خراب لہجے میں کہا۔

"تم مجھے دھمکی دے رہے ہو؟" لال دین آستینیں چڑھانے لگا۔

"تم پہلے بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے ہو' آئندہ بھی نہیں بگاڑ سکو گے۔"

"یہ آنے والا وقت بتائے گا۔ ضرورت پڑی تو میں تمہارے مرغی خانے کو بم سے اڑا دوں گا۔"

"تم نے گواہوں کے سامنے یہ بات کہی ہے۔ میں انسداد دہشت گردی والوں کو بتاؤں گا اور تمہیں ابھی اندر کرا دوں گا۔"

"گلی کے دوسرے لوگ بیچ بچاؤ کرانے لگے۔ "لال دین! ابھی تم نے چوہدری کو چھڑایا ہے اور اب اندر کرانے کی بات کر رہے ہو۔" کسی نے کہا۔

"اس نے مجھے نہیں چھڑایا۔" چوہدری کو اب یہ بات گالی کی طرح لگی۔ "بات سامنے آئی تو انہوں نے مجھے چھوڑا۔"

"اور مجھے اس کی کوئی پروا بھی نہیں۔" لال دین نے ترخ کر کہا۔ "بے شک وہ اسے پھانسی چڑھا دیں۔"

اس کے بعد دونوں منہ پھلائے چلتے رہے۔ گلی میں پہنچے تو چوہدری نے دوسرے لوگوں کا شکریہ ادا کیا اور اپنے گھر میں چلا گیا۔

"اتنے دن تمہارے ساتھ گزارے' مگر میں تمہیں سمجھ نہیں سکی۔" رحمت نے اس کا استقبال کرتے ہوئے کہا۔ "اور ایک دن میں پتہ چل رہا ہے کہ تم کیا ہو؟ پتہ نہیں کیا کیا کرتے پھرتے ہو تم۔"

چوہدری کا دماغ الٹ گیا۔ "کیا بک رہی ہو؟"

"صبح وہ چکر تھا اور رات کو تھانے کی نوبت آ گئی۔ تم تو چھپے رستم ثابت ہو رہے ہو۔"

اب چوہدری اسے کیا بتاتا کہ سہ پہر بھی تھانے میں ہی گزاری تھی۔ اس میں بحث کرنے کی طاقت نہیں تھی اس وقت وہ بس سو جانا چاہتا تھا۔ چنانچہ وہ بستر پر جا گرا۔۔ اور گرتے ہی بے سدھ ہو گیا۔

○
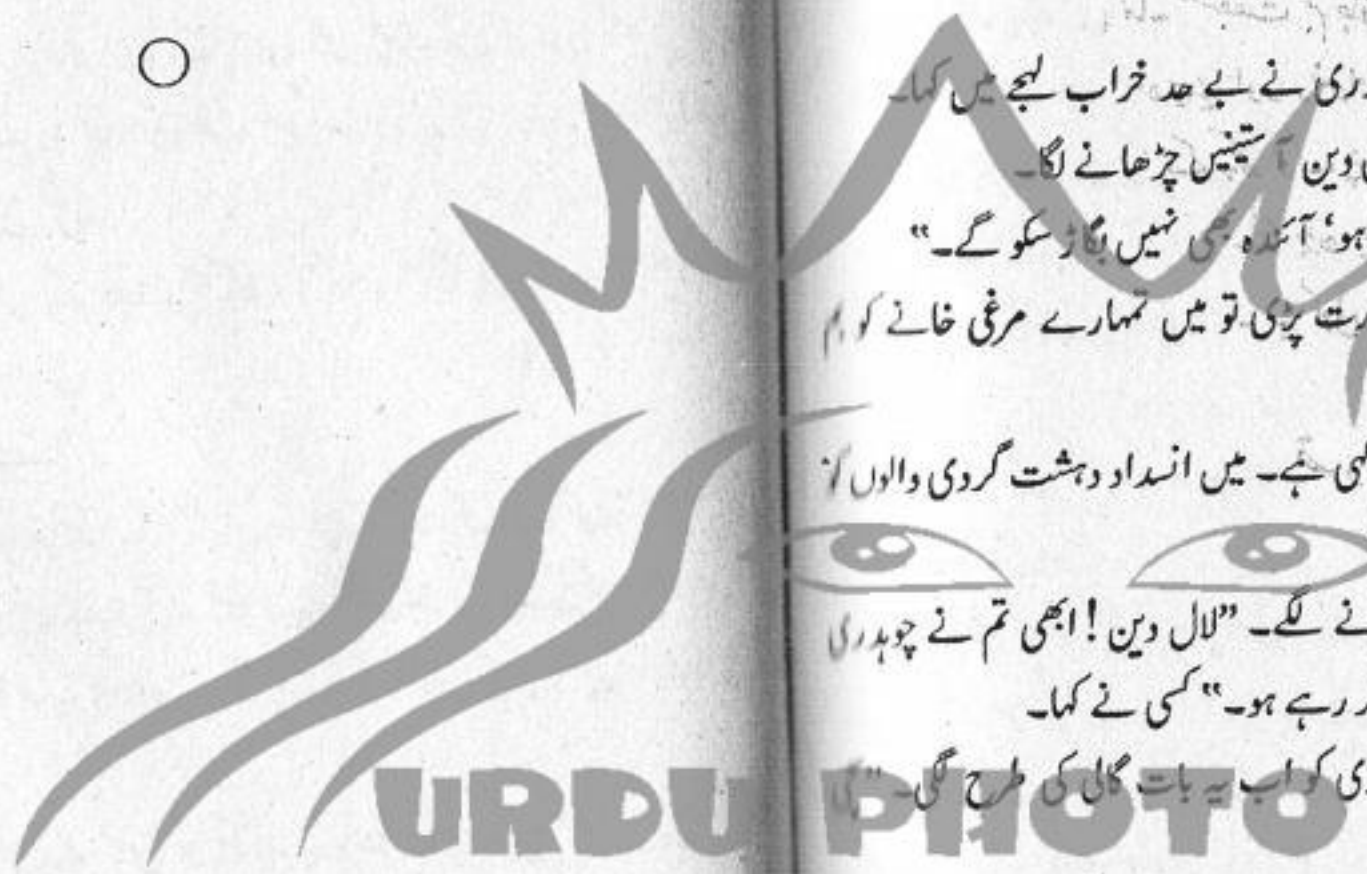
اس رات چوہدری خواب دیکھتا رہا۔ خواب میں وہ نیکی کی جستجو میں سرگرداں تھا۔ وہ جنگل جنگل بھٹکتا پھر رہا تھا۔ اس کے پاؤں میں چھالے تھے اور جسم پر جابجا کانٹوں سے لگی ہوئی خراشیں۔ وہ تھک گیا تھا۔ بھوک اور پیاس سے اس کا برا حال تھا لیکن نیکی اسے نہیں مل رہی تھی۔

اچانک ایک بزرگ اس کے سامنے آ گئے۔ "کہاں بھٹکتا پھر رہا ہے تو؟" انہوں نے پوچھا۔

"مجھے ایک نیکی کرنی ہے۔"

"نیکی تو توفیق سے ہے۔ اللہ کے حکم سے ہے۔" بزرگ نے کہا۔ "توفیق کو نہیں مانے گا تو نیکی کہاں سے نصیب ہو گی۔ پہلے اپنے نظریات تو درست کر۔"

"جب مجھ میں نیکی کا جذبہ موجود ہے تو توفیق کی محتاجی کیوں؟ میرا ارادہ کافی نہیں ہے۔"

"نہیں۔۔ توفیق کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لے۔ آدمی کے پاس دنیا اور آخرت کے لئے جو کچھ بھی اچھا ہے' اللہ کی طرف سے ہے اور جو برا ہے' وہ آدمی کے اپنے نفس کی طرف سے۔ اس کے اعمال کی وجہ سے۔"

چوہدری کی آنکھیں کھل گئیں۔ دیکھا تو گھر میں دھوپ بھری ہوئی تھی۔ ارے فجر کی نماز گئی۔ وہ دل مسوس کر رہ گیا۔ نیکی تو ملی نہیں۔ فرض بھی قضا ہو گیا۔ اچانک اسے بھوک کا احساس ہوا' اسے یاد آیا کہ اس نے رات کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔

"رحمت۔۔ جلدی سے ناشتہ دو۔" اس نے آواز لگائی۔ "بہت بھوک لگی ہے مجھے؟"

رحمت پاؤں پٹختی ہوئی کمرے میں آئی۔ "اب کھل گئے ہو' پردہ اٹھ گیا ہے تو

نو بجے سو کر اٹھا کرو گے۔ بچے تک اسکول جا چکے ہیں۔"

"فضول باتیں مت کرو۔ ناشتہ دو مجھے۔" چوہدری نقاہت محسوس کر رہا تھا۔ جسم الگ بری طرح دکھ رہا تھا۔

"اب دانت صاف کئے منہ دھوئے بغیر ناشتہ کیا کرو گے؟" رحمت نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"تم ناشتہ لگاؤ' میں آتا ہوں۔"

باتھ روم سے لیکر ناشتہ تک چوہدری خواب اور اس کے حوالے سے مولانا کی تقریر کے جلسے کے بارے میں سوچتا رہا۔ یہ توفیق کا معاملہ تو اس وقت بھی اٹکا تھا۔ تقریر سنتے ہوئے بھی اس نے یہی سوچا تھا کہ کیا انسان توفیق کے بغیر نیکی نہیں کر سکتا۔ نیکی کا جذبہ تو انسان کو ملا ہے اور اس کے ارادے کی ایک اہمیت ہے۔ اس کا جی چاہا تھا کہ وہ مولانا سے یہ بات پوچھے لیکن وہ طبعاً بہت شرمیلا تھا اور وہاں بہت بڑا مجمع تھا۔

اس وقت اسے مولانا کی تقریر کا وہ حصہ یاد آنے لگا۔ انہوں نے کہا تھا۔ نیکی کرتے وقت صلے کا تصور جتنا دھندلا ہو' اتنا ہی بہتر ہے کیونکہ عمل تو نیتوں کا حال جاننے والے کے اس احسان کا ہدیہ تشکر ہے' جو اس نے آپ پر نیکی کی توفیق عطا کر کے کیا۔ پھر صلہ کیا؟ اس لئے کہ جو کچھ آپ نے کیا' وہ اللہ کی دی ہوئی توفیق کے مطابق نہیں' اس سے کم ہے۔ فرض کیجئے' آپ بازار میں گھوم رہے ہیں۔ ایک ضرورت مند آپ سے سو روپے کا سوال کرتا ہے۔ آپ کی جیب میں اس وقت 70 روپے ہیں۔ بیس روپے اپنے لئے بچا کر آپ اسے پچاس روپے دیتے ہیں تو کیا یہ نیکی بقدر توفیق ہے؟ جی نہیں' آپ کی کلائی پر ہزار روپے کی گھڑی بھی تو بندھی ہوئی ہے۔ کیا آپ اس کی ضرورت پوری نہیں کر سکتے تھے۔ اللہ نے آپ کو توفیق سے بھی نوازا اور وسائل سے بھی۔ اس کے باوجود آپ اس ضرورت مند کو پچاس روپے دے کر ٹرخا رہے ہیں۔ آپ کی مدد کے باوجود وہ پھر ہاتھ پھیلانے پر مجبور ہے اور پھر اس وہم سے کہ آپ نے بڑی نیکی کی ہے' آپ اپنی گردن اکڑا کر دوسرے لوگوں کو

حقارت سے دیکھ رہے ہیں' جنہوں نے ضرورت مند کو کچھ بھی نہیں دیا۔ بے شک آپ نے نیکی کی اور آپ کو اس کا اجر ضرور ملے گا لیکن آپ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ نیکی کے اس اجر سے محروم رہیں گے' جس کی کوئی انتہا نہیں۔ نیکی اگر عاجزی اور انکسار کے ساتھ سر جھکا کر اس تصور کے ساتھ کریں کہ آپ اس پر شرمندہ ہیں کہ توفیق اور وسائل سے نوازے جانے کے باوجود کسی مستحق کی مدد اپنی بساط سے کم کر رہے ہیں' تو یقین کیجئے' اس بے نیاز معبود کو عاجزی بہت پسند ہے اور گھمنڈ سخت ناپسند ہے اور عاجزی تو حق ہے آپ کا کیونکہ آپ جو کچھ بھی کر رہے ہیں اللہ کے دیے ہوئے مال یا طاقت کے زور پر کر رہے ہیں تو اللہ آپ کی عاجزی سے خوش ہو کر آپ کو اتنا اجر دے سکتا ہے جو کائنات کی وسعتوں اور تمام انسانوں کے مال و دولت سے بڑھ کر ہو۔ سو دوستو! دراصل نیت کی بے غرضی اور دل کی عاجزی نیکی کا حسن ہے اور توفیق اللہ کی جانب سے ملتی ہے۔ اگر کوئی شخص کوئی نیکی اس انداز میں بقدر توفیق کر سکے تو اللہ خوش ہو گا اور اس شخص کے دونوں جہان کے دلدر دور ہو سکتے ہیں۔

اس بار غور کرنے پر چوہدری کی سمجھ میں کچھ آیا' کچھ نہ آیا۔ توفیق تو کچھ کچھ سمجھ میں آ رہی تھی۔ کل اس نے ارادہ کیا' نیکی کے لئے کیا کیا جتن کیے لیکن نیکی اسے نصیب نہیں ہوئی۔ یہ یقیناً توفیق کا فرق ہے۔ اللہ نے توفیق نہیں دی تو وہ نیکی نہیں کر سکا۔ وجہ یہ تھی کہ وہ توفیق کی اہمیت کو نہیں سمجھ رہا تھا اور اللہ اسے سمجھانا چاہتا تھا۔

لیکن بقدر توفیق کو وہ اب بھی نہیں سمجھ پا رہا تھا۔ بہرحال اسے یہ اطمینان ہو گیا کہ اس نے توفیق کو سمجھ لیا ہے۔ اس لئے اب وہ نیکی اس کے لئے آسان ہو جائے گی' جو اللہ کو پسند آئے اور اس کے سارے دلدر دور ہو جائیں۔

اس نے پھر سے نیکی کا عزم کیا اور کام پر جانے کیلئے تیار ہونے لگا۔ کپڑے بدلتے ہوئے اسے سیٹھ جسیم کے دیے ہوئے دس ہزار روپے نظر آئے۔ اس رقم پر اس کا کوئی حق نہیں تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کا کیا کرے۔ بہرحال اس سے وہ کوئی نیکی تو نہیں کر سکتا۔ اس نے وہ رقم جیب میں رکھی اور رحمت کو

پکارا۔

"اب کیا ہے؟" رحمت نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں پوچھا۔

"مجھے پیسے چاہئیں۔" چوہدری نے نرم لہجے میں کہا۔

رحمت نے سو روپے کا ایک نوٹ لا کر اسے تھما دیا۔ "یہ لو۔"

چوہدری کو بہت برا لگا۔ اس رقم میں وہ کیا نیکی کر سکتا تھا۔ "مجھے زیادہ کی ضرورت ہے۔"

"کتنے دوں؟" رحمت نے چڑ کر پوچھا۔

"جو تمہارے پاس ہے' سب دے دو۔"

"ارے واہ۔" رحمت نے کمر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "کوئی بڑا گل کھلانا ہے۔"

"دیکھ رحمت' مجھے کوئی بہت بڑی نیکی کرنی ہے۔"

"وہ کل والی چھوٹی تھیں کیا؟"

چوہدری کو غصہ تو بہت آیا لیکن نیکی کی جستجو کا آغاز وہ غصے سے نہیں کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ وہ رحمت کو سمجھانے لگا۔ "تم مجھے برسوں سے جانتی ہو رحمت۔ میں کسی برائی میں' کسی عیب میں نہیں ہوں۔ اور سچ یہ ہے کہ میں بہت نیک بننا چاہتا ہوں۔ ان الزامات پر مت جاؤ۔ یہ شاید میری آزمائش ہے۔"

رحمت کا دل پسیج گیا۔ "جس راستے پر الزام لگے اسے چھوڑ دینا چاہیے۔"

"چاہے وہ نیکی کا راستہ ہو؟"

رحمت لاجواب ہو گئی۔ اس نے پانچ ہزار روپے لا کر چوہدری کو دیئے۔ "بس یہی ہیں میرے پاس۔"

"دعا کرنا آج مجھے نیکی نصیب ہو جائے۔" اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے جی' جاؤ۔ اللہ تمہیں کامیاب کرے۔" رحمت کے لہجے میں خلوص تھا۔

کلفٹن جاتے ہوئے چوہدری محکوم اللہ کے ذہن میں اچھے خیالات کا ہجوم تھا۔ اس کے کانوں میں مولانا کی پرسوز آواز گونج رہی تھی۔ وہ جسم و جاں کی ہم آہنگی کے ساتھ اس نیکی کے تصور میں سرشار تھا' جو اسے آج کرنا تھی۔ وہ نیکی سے متعلق کوئی قابل عمل منصوبہ بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔

وہ پہنچا تو اکبر دکان کھول چکا تھا۔ اس نے دکان سنبھالی اور اکبر کو مچھلیاں خریدنے کیلئے بھیج دیا۔

مچھلی کی قسموں اور ذائقوں کے بارے میں اکبر کی معلومات مستند تھیں۔ وہ روز کبھی کیماڑی' کبھی منوڑا چلا جاتا تھا۔ وہاں اچھی مچھلی تلنا ایک فن تھا۔ اس لحاظ سے وہ فن کار تھا۔ اس میں فنکاروں والی تمام ہی خوبیاں تھیں۔۔۔ حساسیات' جذباتیت' لاابالی پن' پیسے سے بے نیازی اور احمقانہ حد کو پہنچی ہوئی ایمان داری۔ اس آخری صفت کی وجہ سے چوہدری اس کی بہت قدر کرتا تھا۔

اکبر کے علاوہ نو دس سال کا ایک لڑکا ٹنگو بھی اس کے پاس ملازم تھا۔ اس کا کام دور بیٹھے ہوئے گاہکوں کو پلیٹ میں مچھلی پہنچانا تھا۔ رش ہوتا تو اکبر بھی یہی کام کرتا۔ پیسے وصول کرنا اکبر کا کام تھا۔

اکبر کو بھیجنے کے بعد چوہدری اپنی سوچوں میں گم ہو گیا۔ بقدر توفیق کی پھانس اب تک اس کے دماغ میں چبھ رہی تھی۔ دکان پر کوئی کام' کوئی مصروفیت نہیں تھی۔ وہ اٹھ کر ادھر ادھر ٹہلنے لگا۔ اس نے ساحل کا جائزہ لیا۔ ساحل سنسان تھا۔ اکا دکا جوڑے نظر آ رہے تھے لیکن وہ ضرورت کی ہر چیز سے بے نیاز ایک دوسرے میں گم تھے۔ انہیں تنہائی کے سوا کسی چیز کی ضرورت نہیں تھی۔

چوہدری پھر دکان میں آ بیٹھا اور نیکی کی فکر میں لگ گیا۔

"السلام علیکم چوہدری صاحب۔"

اس نے چونک کر سر اٹھایا اور حیران رہ گیا۔ وہ ایک باوردی ہیڈ کانسٹیبل تھا۔

"وعلیکم السلام۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"کیسے ہو چوہدری صاحب جی!"

چوہدری پولیس والے کے تپاک پر حیران و پریشان تھا۔ اس عنایت کی وجہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ "ٹھیک ہوں الحمدللہ۔" اس نے کہا۔ "پیسے لینے آئے ہو؟"

پولیس والے نے دونوں کان چھوتے ہوئے کہا۔ "توبہ چوہدری صاحب۔ آپ سے پیسے کون لے گا۔ ایس ایچ او صاحب نے سلام دیا آپ کو اور کہلایا ہے کہ کبھی کسی بھی طرح کی پریشانی ہو تو یہاں کسی بھی وردی والے کو حکم کر دیجئے گا۔ ہم سب ہر طرح سے حاضر ہیں آپ کے لئے۔"

"ٹھیک ہے جی۔ بڑی مہربانی ان کی۔" چوہدری نے شرمندگی سے کہا۔

اس پر چوہدری کو سیٹھ جسیم یاد آ گیا۔ اس کے ساتھ جو کچھ ہوا' وہ بلاوجہ ہی نیکی بن گیا۔۔۔ اور اس کا اجر اسے دنیا میں ملے جا رہا تھا۔ یہ وہ نیکی تھی' جس پر وہ شرمندہ تھا لیکن وہ کل بھی آڑے وقت میں اس کے کام آئی تھی اور اب تو لگتا تھا کہ اس کا صلہ جاریہ اسے ملتا رہے گا۔

پھر اسے سیٹھ کیلئے مچھلی ابالنے کا خیال آیا لیکن اکبر نے کہا تھا کہ مچھلی وہ لے گا چنانچہ چوہدری یہ سب کچھ ذہن سے جھٹک کر پھر نیکی کی سوچوں میں گم ہو گیا۔ اچانک اسے خیال آیا کہ یہاں بیٹھے بیٹھے تو وہ نیکی کرنے سے رہا۔ اس کیلئے تو اسے بھاگ دوڑ' عملی جدوجہد کرنا ہو گی لیکن اکبر کے آنے تک وہ یہاں سے نہیں ہل سکتا تھا۔

بیٹھے بیٹھے اسے ایک محاورہ یاد آیا۔ چراغ تلے اندھیرا۔ مولانا نے کہا تھا۔۔۔ سامنے کی چیزیں چھوڑ کر دور دیکھنا اچھی بات نہیں۔ آدمی کو پہلے اپنا گھر' اپنا محلہ ٹھیک کرنا چاہئے۔ اس پر چوہدری نے سوچا کہ آدمی کا ٹھیا بھی تو اس کا گھر ہی ہوتا ہے۔۔۔ "دوسرا گھر۔"

اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو اسے دیوار کے پاس ٹنگو بیٹھا نظر آیا۔ اسے دیکھتے ہی چوہدری کے ذہن میں ایک مشین سی چل پڑی۔

یہ ٹنگو صبح سے رات تک یہاں کام کرتا تھا۔ مچھلی کی پلیٹیں دور بیٹھے ہوئے

لوگوں تک پہنچاتا' پھر پلیٹیں سمیٹتا' انہیں دھوتا اور خشک کرتا۔ اتنا سا بچہ! رات کو
اسے کیسی تھکن ہوتی ہوگی۔ اس کا جسم کس بری طرح دکھتا ہوگا۔

"پھر اسے دوسرا زاویہ سوجا۔ یہ کوئی کام کرنے کی عمر ہے یہ تو علم حاصل کرنے
کی' کھیلنے کودنے کی عمر ہے۔ اس کے اپنے بچے کیسے صاف ستھری یونیفارم پہن کر
اسکول جاتے ہیں اور اسکول سے واپس آکر صرف کھیل میں لگے رہتے ہیں۔ مار باندھ
کر پڑھنے کو بٹھایا جائے' تب کہیں پڑھتے ہیں۔ کیسی بے فکری کی زندگی ہے ان کی
کھیلنے' کھانے اور پڑھنے کے سوا کچھ کام نہیں اور وہ بھی اپنی مرضی سے کرتے ہیں اور
ایک یہ چھوٹا سا بچہ ہے ہر چیز سے' ہر نعمت سے' بے فکری سے محروم۔ پیوند لگے
ہوئے کپڑے پہنے دن بھر مشقت کرتا ہے اور ہے کتنا چھوٹا سا۔ چھ سات سال سے
زیادہ کا نہیں لگتا۔ کہتے ہیں کہ محنت مشقت سے بچوں کی نشوونما رک جاتی ہے۔ کہیں
یہ اتنا ہی نہ رہ جائے۔

چوہدری نے پر ٹنگو کو دیکھا وہ کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ شاید پریشان ہو' کون
جانے' بھوکا ہو' گھر میں بھی فاقہ ہو۔ چوہدری کا دل کانپنے لگا۔ یہ بچہ دن بھر محنت
کے اس مہنگائی کے زمانے میں تیس روپے گھر لے کر جاتا ہے۔ اس میں کوئی گھر چلتا
ہے اور ان تیس روپوں کیلئے وہ کتنی بڑی قربانی دے رہا ہے۔ اپنے بے فکری کے
دن' اپنا خوبصورت بچپن' اپنے معصوم شوق اور خواہشیں اور سب سے بڑھ کر تعلیم۔

چوہدری کا دل بھر آیا۔ اسے خود پر شرم آنے لگی۔ وہ اس بچے سے محنت کراتا
ہے اور اسے صرف تیس روپے روز دیتا ہے۔ جبکہ اللہ نے اسے اتنا دیا ہے کہ وہ
اس کی تعلیم کا خرچ بھی اٹھا سکتا ہے۔ اسے ڈھنگ کے کپڑے بھی دے سکتا ہے اور
اس کے گھر کی دال روٹی بھی چلا سکتا ہے۔

اس نے تصور میں اپنے سات سالہ بیٹے کو ٹنگو کی جگہ رکھ کر دیکھا تو تھرا گیا۔
جو میں اپنے بچے کیلئے گوارا نہیں کر سکتا' وہ دوسرے کے بچے کیلئے کیوں گوارا کرتا
ہوں۔ یہ تو سنگ دلی ہے اور دل میں گداز اور نرمی نہ ہو تو آدمی نیکی کہاں سے کرے
گا۔ وہ باقاعدہ رونے لگا۔ اسے احساس بھی نہ ہوا کہ یہ سوچتے ہوئے وہ پھر توفیق کو

انداز کر رہا ہے۔

چوہدری نے سوچا' نیکی اس کے سامنے موجود ہے۔۔ اور وہ ہے کہ اس کی جستجو
میں پھر رہا ہے۔ کیا حماقت ہے۔ اس نے جلدی سے آنسو پونچھے اور ٹنگو کی طرف
دیکھا۔ وہ دیوار کے قریب بیٹھا آتی جاتی لہروں کو دیکھ رہا تھا۔ شاید اپنی محرومیوں کو شمار
کر رہا تھا۔

"ٹنگو۔۔ او ٹنگو!" چوہدری نے اسے پکارا اور اپنے آنسو پونچھ لئے۔ دیر آید
درست آید۔ اس نے سوچا۔ غلطی کی اصلاح کرنا بھی نیکی ہے اور کسی کی مدد کرنا تو
ہے ہی نیکی۔ دوسری پکار پر ٹنگو نے چونک کر اسے دیکھا۔ "کیا بات ہے سیٹھ!"

"ادھر تو آ۔"

ٹنگو اس کے پاس آگیا۔ چوہدری نے اسے بہت غور سے دیکھا۔ وہ خوش شکل
بچہ تھا۔ اس کی آنکھوں میں اب بھی نیلگوں سمندر کا رنگ جھلک رہا تھا۔ بس وہ کمزور
بہت تھا ورنہ یقیناً خوبصورت کہلاتا۔ "تو وہاں بیٹھا کیا کر رہا ہے؟"

"سوچ رہا ہوں سیٹھ۔"

"کیا سوچ رہا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔"

چوہدری کو تشویش ہوئی بچہ سوچ رہا ہے۔۔ اور کچھ بھی نہیں سوچ رہا ہے۔

"تو نے رات کھانا کھایا تھا؟"

"ہاں سیٹھ روز کھاتا ہوں۔"

"اور ناشتہ کیا تھا؟"

"ہاں سیٹھ وہ بھی روز کرتا ہوں۔"

"رات کیا کھایا تھا؟"

"تمہاری دی ہوئی **مچھلی**۔"

چوہدری کا دل بھر آیا۔ بچی **کھچی مچھلی**' جو کسی کو نہ دو تو سڑ جائے۔ یہ بھی
کوئی نیکی ہے۔ یہ ان بے چاروں کا رات کا کھانا ہے۔ "تیری کتنی عمر ہے ٹنگو؟"

"سات سال ہے سیٹھ۔"

"سات سال؟ تو جب کام پر آیا تو' تو نے کہا کہ تیری عمر نو سال ہے۔"

ٹنگو کھسیائی ہوئی ہنسی ہنسنے لگا۔ "وہ تو میں نے جھوٹ بولا تھا۔ بھائی نے کہا تھا کہ سات سال کہوں گا تو تم مجھے کام پر نہیں رکھو گے۔" اس کا اشارہ اکبر کی طرف تھا۔

ہائے ری مجبوری۔ چوہدری نے دل میں سوچا۔ ضرورت کے لئے آدمی کو کیا کچھ کرنا پڑتا ہے۔ "تو جھونپڑی میں رہتا ہے؟"

"نہیں سیٹھ!"

چوہدری کا دل ڈوبنے لگا۔ "فٹ پاتھ پر سوتا ہے؟"

"نہیں سیٹھ۔ ہمارا مکان ہے۔"

چوہدری نے تفتیش روک دی۔ کچا مکان ہی ہو گا۔ اسے خیال آیا' بچہ یتیم تو نہیں۔ "تیرے ماں باپ زندہ ہیں؟" اس نے پوچھا۔

ٹنگو نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تیرا باپ بیمار ہے؟"

اس بار انکار میں سر ہلا۔

"ماں ٹھیک ٹھاک ہے؟"

سر کی اثباتی جنبش!

"باپ بہت بوڑھا ہے؟"

سر کی انکاری جنبش!

"بہنیں بہت ہوں گی؟"

"ایک بھی نہیں ہے سیٹھ۔"

"کوئی بڑا بھائی نہیں ہے؟"

"دو بڑے بھائی ہیں سیٹھ۔ لیکن تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

چوہدری نے اس کی بات سنی ہی نہیں۔ "دونوں بھائی بے روزگار ہیں۔"

"دونوں کام کرتے ہیں سیٹھ۔ ایک ابا کے ساتھ موٹر مکینک کا کام کرتا ہے۔ دوسرا خراد مشین چلاتا ہے۔" ٹنگو نے کہا۔ "مگر بات کیا ہے سیٹھ!"

"میں تیری بھلائی کا سوچ رہا ہوں۔" چوہدری نے بے حد عاجزی سے کہا۔ "میں تجھے اسکول میں داخل کراؤں گا۔ یونیفارم اور کتابیں دلاؤں گا اور تجھے تیس روپے بھی دوں گا۔"

"یہ نہیں ہو سکتا سیٹھ۔" ٹنگو نے ٹکا سا جواب دیا۔

"کیوں؟" چوہدری نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"ایک تو میں مفت کے پیسے نہیں لے سکتا۔"

اس کی خودداری نے چوہدری کو بہت متاثر کیا۔ یہ ہوتی ہے عظمت۔ اس نے سوچا۔

"دوسرے یہ کام تو میرے ابا بھی کر سکتے تھے۔" ٹنگو نے مزید کہا۔ "لیکن وہ کہتے ہیں کہ آدمی پڑھ لکھ کر کہیں کا نہیں رہتا۔ چودھویں پاس کر کے بھی نوکری ڈھونڈتا پھرتا ہے۔ پھر نوکری مل جائے تو بھی موٹر مکینک سے کم کماتا ہے۔ تو کیا فائدہ سال وقت اور پیسے برباد کرنے کا۔"

چوہدری کو بہت صدمہ ہوا۔ وہ ہمیشہ تعلیم سے محرومی کے احساس سے بہت دکھی ہو جاتا تھا۔ حالات نے اسے تعلیم مکمل کرنے کی اجازت ہی نہیں دی تھی۔ اور یہ رہا تھا کہ اسے موقع ملنے کے باوجود پڑھنے نہیں دیا جاتا۔ "تیرا باپ بھی کماتا ہے اور دو بھائی بھی۔ پھر تو یہاں تیس روپے میں خواری کیوں کرتا ہے؟" اس نے دل سے پوچھا۔

"وہ جی میں سارا دن کھیلتا تھا۔ مجھے کرکٹ کا بہت شوق تھا۔" ٹنگو کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ "میں بہت اچھا کھیلتا تھا۔ پھر میری ماں نے ابا سے کہا کہ لڑکا برباد ہو رہا ہے۔ حرام خور ہو جائے گا۔ اسے کسی دھندے سے لگاؤ۔ اس لئے میں تمہارے پاس آیا۔"

"اچھا۔۔۔ اگر میں تجھے الگ ٹھیلا لگوا دوں تو۔۔۔" چوہدری کا لہجہ نیکی سے چھلک

رہا تھا۔

"نہیں سیٹھ۔ مجھے مچھلی نہیں بیچنی۔" ٹگو نے بے حد حقارت سے کہا۔ "یہاں تو مجھے محنت کا عادی ہونے کیلئے لگایا گیا ہے اور اس لئے بھی کہ میرا قد چھوٹا ہے۔ ابھی میں خراد پر کھڑا نہیں ہو سکتا۔ تھوڑا لمبا ہو جاؤں تو بھائی کے ساتھ جا کر خراد کا کام سیکھوں گا۔"

چوہدری کو اپنی پیشکش کے بعد اپنا سینہ ایک انجانی خوشی سے، نیکی کے احساس سے پھولتا محسوس ہوا تھا مگر ٹگو کا جواب سن کر اسے ایسا لگا کہ وہ غبارہ تھا اور اس جواب نے اس میں پن چبھو دی ہے۔ اب آہستہ آہستہ اس میں سے ہوا نکل رہی ہے۔ "تیرا ابا کرتا کیا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"گاڑی کھاتے پر بہت بڑا گیراج ہے ان کا۔"

یہ جواب سن کر غبارے میں سے ہوا بہت تیز آواز کے ساتھ نکل گئی۔ "ٹھیک ہے، تو جا۔" اس نے ڈھیلے ڈھالے لہجے میں کہا اور اپنی سوچوں میں گم ہو گیا۔

چوہدری محکوم اللہ مایوس نہیں ہوا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ مایوسی کفر ہے۔۔ اور وہ بلاوجہ کفر نہیں کمانا چاہتا تھا۔ وہ نیکی کے بارے میں سوچتا رہا۔ اس کی بے تابی بڑھتی گئی۔ ساڑھے گیارہ بجے کے قریب اکبر مچھلیاں لے کر واپس آیا تو اس وقت تک چوہدری نیکی کے بڑھتے ہوئے رس کی وجہ سے کسی پکے ہوئے پھل کی طرح ہو چکا تھا، جو شاخ سے ٹوٹ کر گرنے کیلئے بے چین ہے۔

"سیٹھ۔ اب میں پہلے مچھلیاں ابالتا ہوں۔ پھر تلنے والی مچھلیوں کو مسالہ لگا کر تیار کروں گا۔" اکبر نے کہا اور کام میں لگ گیا۔

چوہدری کو خیال آیا کہ نیکی گھر سے شروع کرنی چاہئے اور ایک اعتبار سے اکبر اس کے لئے گھر کے فرد کی طرح تھا۔ وہ اکبر کو بہت غور سے دیکھنے لگا۔

اکبر کو دیکھتے دیکھتے چوہدری کا دل پگھلنے لگا۔ یہ کس طرح کا آدمی ہے ڈیڑھ سو روپے روز لیتا ہے اور دن بھر گدھے کی طرح کام کرتا ہے۔ باہر کا کام بھی کرتا ہے۔ مچھلی بھی لاتا ہے اور رش کے وقت مچھلی گاہکوں تک پہنچاتا اور ان سے پیسے وصول بھی کرتا ہے۔ ابھی اتنی دور گیا، مچھلی لاد کر لایا اور آتے ہی مچھلی ابالنے، مچھلی پر مسالہ لگانے میں مصروف ہو گیا۔ ستانے کیلئے بھی نہیں بیٹھا۔ کتنا مخلص، محنتی اور ایماندار ہے۔ کبھی گلے سے ایک روپیہ بھی پار نہیں کیا۔ کیسا نیک آدمی ہے یہ۔"

اکبر کو دیکھتے دیکھتے چوہدری کو کچھ ہونے لگا۔ کتنے خلوص سے مچھلی ابال رہا ہے۔ جانتا ہے کہ صرف تین کلو مچھلی کے ایک ہزار ملیں گے۔ پھر بھی اس نے اپنی مزدوری میں اضافے کا کوئی مطالبہ نہیں کیا۔ بغیر کہے خود مچھلی ابالنے لگا۔ یہ تو نیکی ہے، چوہدری نے سوچا اور یہ اکبر ہر روز اور ہر روز کے ہر لمحے ایک نیکی کرتا رہتا ہے

اور اسے اس کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ اللہ کے ہاں یہ کتنا امیر آدمی ہو گا۔ اس کی
کمائی تو بہت زیادہ ہو گی اور میں کیا کرتا ہوں۔ میں اس کا استحصال کرتا ہوں۔ کبھی
میں نے اس کے پیسے بڑھانے کے بارے میں نہیں سوچا۔

چوہدری کے دل میں یکایک ایسی محبت امنڈی کہ اس کا جی چاہا' اکبر کو گلے
لے۔ اس نے بمشکل خود پر قابو پایا۔ "اکبر۔۔ تم کبھی مستقبل کے بارے میں سوچتے
ہو؟" اس نے اچانک پوچھا۔

اکبر نے سر اٹھا کر دیکھا۔ "اتنی فرصت ہی نہیں ملتی سیٹھ!" اس نے بڑی
سادگی سے کہا۔ "رات کو گھر جاتا ہوں تو یقین کرو' ٹھیک سے کھانا بھی نہیں کھایا جاتا۔
بس نیند سے برا حال ہوتا ہے۔ بستر پر گرتے ہی سو جاتا ہوں۔"

چوہدری کا دل بھر آیا۔ کتنا سادہ دل ہے یہ اکبر لہجے میں شکایت بھی نہیں ہے۔

"پھر سوچنا تو چاہئے اکبر!" اس نے بات آگے بڑھائی۔

"سوچنے سے کیا ہوتا ہے سیٹھ جی۔ ہوتا وہی ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔ میں
تو اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ وہ مجھے عزت کی روٹی دے رہا ہے۔"

چوہدری دل میں اش اش کرنے لگا۔ ایسے ہوتے ہیں خدا کے فرماں بردار
بندے۔ "لیکن میں سوچ رہا ہوں اکبر۔" چوہدری نے بے حد محبت سے کہا۔

"کاروبار بند کرنے کا تو نہیں سوچ رہے سیٹھ!" اکبر نے بے حد تشویش سے
اسے دیکھا۔

"میں اپنے نہیں' تمہارے بارے میں سوچ رہا ہوں۔"

"میرے بارے میں کیا! کیا میرے کام سے خوش نہیں ہو؟"

"تم جیسا آدمی تو قسمت سے ملتا ہے اکبر!" چوہدری نے کہا۔ "میں کچھ اور
سوچ رہا ہوں۔"

اکبر اس دوران میں بھی کام کرتا رہا تھا۔ اس نے مچھلی ابالنے کیلئے چڑھائی اور
فوراً ہی اتار لی۔ "یہ ایک بھاپ کا کام ہے سیٹھ۔ مچھلی' ثابت بھی رہے گی اور مسالہ
گوشت میں اتر جائے گا۔ اب میں کڑاہی چڑھا رہا ہوں سیٹھ۔" اچانک اسے خیال آیا

کہ چوہدری کچھ کہہ رہا تھا۔ "ہاں سیٹھ تم کچھ کہہ رہے تھے۔"

"میں بتا رہا تھا کہ میں نے ایک بہت بڑا اور اہم فیصلہ کر لیا ہے۔"

"ٹھیک ہے سیٹھ!" اکبر نے یوں بے پروائی سے کہا جیسے اسے فیصلے سے کوئی
غرض ہی نہیں۔

"اکبر۔۔ میں نے تمہیں پارٹنر بنانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔" چوہدری نے اسے
مطلع کیا۔

اکبر کا منہ کھلا اور کھلے کا کھلا رہ گیا۔ "پارٹنر!" اس کے منہ سے بمشکل نکلا۔

"ہاں اکبر' آدھے آدھے کا پارٹنر۔"

"وہ کیوں سیٹھ؟" اکبر نے یوں فریاد کرنے والے انداز میں پوچھا جیسے پوچھ رہا
ہو کہ آخر میں نے ایسا کون سا قصور کر دیا۔

"تم اتنی محنت کرتے ہو۔ اتنے ایمان دار ہو کہ یہ پارٹنر شپ تمہارا حق ہے۔
مجھے تو بغیر کچھ کیے ہی سب کچھ مل جاتا ہے۔ اصل میں تو یہ کاروبار ہی تمہارا ہے۔"

اکبر کے ہاتھ رک گئے۔ وہ کام کرنا بھول گیا اور ہراساں ہو کر چوہدری کو تکے
جا رہا تھا۔ اس کے ہونٹ لرز رہے تھے۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن کہہ نہیں پا رہا تھا۔

چوہدری نے پر تشویش لہجے میں پوچھا۔ "کیا بات ہے؟ تمہیں خوشی نہیں ہوئی یہ
سن کر؟"

"ایک بات پوچھوں سیٹھ۔" اکبر نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ یہ ہچکچاہٹ اس کے
چہرے پر بھی صاف نظر آ رہی تھی۔

"ضرور پوچھو۔"

ایک پل میں اکبر کی ہچکچاہٹ ہوا ہوئی اور اس کے چہرے پر عزم نظر آنے لگا۔
پھر وہ بولا تو اس کے لہجے میں مضبوطی اور انداز میں اعتماد تھا۔ "ظاہر میں تو اپنا دھندا
بہت اچھا جا رہا ہے سیٹھ!" اس نے کہا۔ "پر یہ بھی ہے کہ تم سے زیادہ کون جانتا ہو
گا۔"

چوہدری کی سمجھ میں اس کی بات نہیں آئی۔ "دھندا تو اچھا جا رہا ہے۔ کل

ساڑھے چار ہزار کا گلا اٹھایا ہے میں نے۔"

"تو پھر کیا بات ہے سیٹھ۔ کیا آج کل میں دھندا ڈاؤن ہونے والا ہے؟" اکبر نے کہا۔ لیکن کہتے کہتے گڑبڑا گیا۔ جلدی سے بولا۔ "میرا مطلب ہے سیٹھ، تم مجھے ڈیڑھ سو روپے روز دیتے ہو نا' یہ میرے لئے بہت ہے۔ لگا بندھا ہے نا' دھندا ڈاؤن ہو گیا تو میرے بچے بھوکے مرجائیں گے۔"

اکبر نے لاکھ بات کا رخ بدلا لیکن چوہدری اس کا اصل مفہوم پا گیا تھا۔ اسے تھوڑا سا افسوس ہوا کہ اکبر نے اس کے خلوص پر شک کیا۔ لیکن اس وقت اس کا دل ایسا گداز ہو رہا تھا اور وہ نیکی اور درگزر سے یوں لبالب بھرا ہوا تھا کہ اسے برا نہیں لگا۔ "میں تو تمہارے بھلے کیلئے کہہ رہا تھا اکبر۔"

"نہیں سیٹھ۔ مجھے پارٹنری نہیں چاہئے۔ میں اس ڈیڑھ سو میں بہت خوش ہوں۔"

چوہدری محکوم اللہ مایوس نہیں ہوا۔ وہ نیکی کا خواہش مند تھا۔ کفر کیوں کرتا۔

اکبر نے تازہ لائی ہوئی مچھلیوں کو برف میں رکھ دیا۔ پھر وہ گزشتہ روز کی بچی ہوئی مچھلیوں پر مسالہ لگانے لگا۔ اچانک چوہدری کو ہلکی سی بدبو کا احساس ہوا۔ اس نے غور کیا تو پتہ چلا کہ بدبو ایک مچھلی میں آ رہی ہے۔ "اکبر--- یہ مچھلی پھینک دو۔" اس نے کہا۔

"پھینک دوں؟" اکبر کے ہاتھ رک گئے۔ وہ خالی خالی نظروں سے چوہدری کو دیکھتا رہا۔ وہ حیران تھا کہ یہ آج سیٹھ کو کیا ہو گیا ہے۔

"ہاں' اس میں سے بدبو آ رہی ہے۔"

"بدبو! سیٹھ ابھی اس میں سے خوشبو آئے گی۔ میں مچھلی تلتا ہوں۔ مذاق نہیں کرتا۔" اکبر نے فخریہ لہجے میں کہا۔

چوہدری کا جی چاہا کہ اٹھا کر مچھلی کو پھینک دے لیکن وہ جانتا تھا کہ اس طرح اکبر کی فنکارانہ انا مجروح ہو گی۔ اس روز مولانا نے فارسی کا ایک شعر بھی پڑھا تھا۔ دل بدست آور کہ حج اکبر است۔ اس نے سیدھا صاحب سے بدست آور کا مطلب

پوچھا تھا۔ انہوں نے بتایا تھا کہ دل کو ہاتھوں میں لو۔ ویسے کچھ فارسی تو وہ خود بھی سمجھتا تھا۔ تو بات یہ تھی کہ دل کو ہاتھوں میں لینا-- یعنی کسی کی دل آزاری سے بچنا اکبر کے حج کے برابر ہے۔

اب اس وقت وہ بدبودار مچھلی اور اکبر کے حج کے بارے میں ملا کر سوچنے لگا۔ اب اس وقت وہ اکبر کی دل آزاری سے بچے تو یہ اس کیلئے حج اکبر کے برابر ہے لیکن بدبودار مچھلی فروخت کرنا ویسے بھی برا ہے اور اسے کھا کر کسی کی طبیعت خراب ہو گئی تو یہ اور بڑا گناہ ہو گا۔ تو کیا یہ بہترین ہو گا کہ وہ اکبر کی دل آزاری ہونے دے لیکن اسے حج کرا دے۔ اکبر نام کے لوگوں کے حج کو یقیناً کوئی خاص اہمیت حاصل ہو گی۔ تبھی تو اس شعر میں اس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

"اکبر-- تم ایسا کرو کہ اس بار حج پر چلے جاؤ۔" چوہدری نے اکبر سے کہا۔

اس بار اکبر نے اسے یوں دیکھا' جیسے وہ پاگل ہو گیا ہو۔ "میں حج کیسے کر سکتا ہوں سیٹھ۔ اس میں تو بہت پیسہ لگتا ہے۔"

"پیسے کی تم فکر نہ کرو' میں تمہیں حج کراؤں گا۔"

اکبر نے وہ مچھلی تیل سے بھری کڑاہی میں ڈالی' جو اس تمام معاملے میں اہم کردار ادا کر رہی تھی۔ اس دوران میں وہ جیسے جان بچانے کی کوئی ترکیب سوچتا رہا تھا۔ "مگر سیٹھ' مجھ پر قرضہ بہت ہے اور سنا ہے' قرض ادا کرنے سے پہلے بندہ حج نہیں کر سکتا۔" بالآخر اس نے جواز تلاش کیا۔

"کتنا قرضہ ہو گا؟"

"سات آٹھ ہزار روپے سے کم تو نہیں ہو گا سیٹھ!"

"کوئی بات نہیں۔ میں وہ بھی ادا کر دوں گا۔"

اب اکبر ڈرا اور سہما ہوا نظر آنے لگا۔ اسے یقین ہو گیا کہ سیٹھ کے دماغ کو کچھ ہو گیا ہے۔ صبح ہی سے بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے۔ اب اس نے مدافعانہ انداز کے بجائے جارحیت اپنائی۔ "تم نے خود بھی حج کیا ہے سیٹھ؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں تو۔"

"تو پہلے تم خود جج کرو۔ اس کے بعد مجھے کرانا۔"

چوہدری نے چند لمحے سوچا پھر بولا۔ "میرے جج میں وہ بات کہاں، تمہارا جج اکبر ہو گا۔ خیر میں کسی اور اکبر سے بات کروں گا۔"

پانچ منٹ بعد سیٹھ جسیم کا آدمی آ گیا۔ چوہدری نے اسے تین کلو مچھلی دی۔ وہ اسے ہزار روپے دے کر اور مچھلی لے کر چلا گیا۔ یہ عجیب نیکی ہے، جس کا روز کا اجر الگ بندھ گیا ہے اور اس کی وجہ سے بہت بڑا تحفظ حاصل ہو گیا ہے۔ چوہدری نے سوچا۔ جبکہ میں تو اسے نیکی بھی نہیں سمجھتا۔

اتنی دیر میں وہ مچھلی اکبر تل چکا تھا۔ اس نے مچھلی نکالتے ہوئے کہا۔ "یہ وہ مچھلی ہے سیٹھ، جس پر تم اعتراض کر رہے تھے۔"

چوہدری نے نتھنے پھڑکائے۔ مچھلی میں سے بے حد اشتہا انگیز خوشبو آ رہی تھی۔ چوہدری کو اب بھی ڈر تھا کہ وہ مچھلی کھا کر کسی کی طبیعت خراب ہو سکتی ہے۔ وہ دل آزاری سے بچ رہا تھا اور اکبر جج سے۔ تو اب اس لازمی گناہ سے بچنے کی یہی صورت ہے کہ وہ مچھلی خود کھا لی جائے۔

"اکبر۔ تم یہ مچھلی میرے لئے تل دو۔" اس نے اکبر سے کہا۔

"پوری مچھلی سیٹھ؟" اکبر نے حیرت سے پوچھا۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا تو پوچھنے لگا۔ "بہت بھوک لگ رہی ہے؟"

چوہدری نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر بھوک ثابت کرنے کے لئے ابلی ہوئی مچھلی میں سے بڑی بے تابی سے کھانے لگا۔ اسے حیرت ہوئی کل اس نے خود مچھلی ابالی تو وہ بہت بدذائقہ تھی لیکن اکبر کی ابالی ہوئی مچھلی تو جی چاہ رہا تھا کہ کھائے جاؤ۔

"اکبر--- ابلی ہوئی مچھلی اتنی لذیذ ہوتی ہے۔ تم نے تو کمال کر دیا۔" اس نے بے ساختہ کہا۔

اکبر خوش ہو گیا-- اتنا کہ چوہدری کے ممکنہ پاگل پن کو بھی بھول گیا۔ "میں فنکار ہوں سیٹھ۔ مچھلی کے ذائقے میں بھی کوئی فرق نہیں تھا لیکن چوہدری نے اس مچھلی کو بہت بڑی نیکی سمجھ کر کھایا۔ اس کے نزدیک وہ مچھلی کھانا-- یعنی گاہکوں کو اس

مچھلی سے بچانا جج اکبر کے برابر تھا۔ اپنی دانست میں وہ بہت بڑا کام کر رہا تھا۔ اس نے اکبر کی دل آزاری بھی نہیں کی تھی اور مچھلی کو ٹھکانے بھی لگا دیا تھا۔

مچھلی سے نمٹنے کے بعد چوہدری نے ایک ڈکار لی اور اٹھ کھڑا ہوا۔ "اکبر-- مجھے ایک ضروری کام ہے۔" اس نے اکبر سے کہا۔ "آج میں واپس نہیں آؤں گا، تم دکان بند کر دینا۔"

اکبر نے سکون کی سانس لیتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہے سیٹھ!" پھر وہ اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ اس کی نظریں عجیب سی تھیں۔ "پتہ نہیں، آج سیٹھ کو کیا ہو گیا ہے۔ لگتا ہے رات کو ٹھیک طرح سویا نہیں ہے۔" وہ بڑبڑایا اور پھر کڑاہی میں پڑے مچھلی کے ٹکڑوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔

صدر جانے والی بس میں بیٹھ کر چوہدری سرشاری کی سی کیفیت میں گم ہو گیا۔ وہ نیکی کے سفر پر نکل کھڑا ہوا تھا۔ اس کا عزم تھا کہ آج وہ ایک خاموش، بے غرض اور اللہ کی بارگاہ میں مقبول نیکی کر کے رہے گا۔

صدر اتر کر وہ ایمپریس مارکیٹ کی طرف جانے والی سڑک پر مڑ گیا۔ اس کے سینے میں دوسروں کے دکھ کا سمندر موجزن تھا۔ دل اس حد تک گداز ہو گیا تھا کہ بلا سبب بھی اس کی پلکیں بھیگی جا رہی تھیں۔ آنسو جیسے آنکھوں سے نکلنے کو بے تاب ہو رہے تھے۔ وہ بغیر سوچے سمجھے چلتا رہا۔

اچانک اسے ایک بھکارن نظر آئی وہ ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا۔ کوئی دس بارہ قدم دور کھڑا وہ بھکارن کو بہت غور سے دیکھنے لگا۔

بھکارن جوان بھی تھی اور خوش شکل بھی۔ اس کی عمر چوبیس پچیس سال ہو گی۔ رنگت گوری تھی اور جسم شاداب تھا۔ اسے وہاں بیٹھے دیکھ کر چوہدری کو بہت دکھ ہوا۔ یہاں سے گزرنے والے اسے کیسی نظروں سے دیکھتے ہوں گے۔ اسے ترغیب بھی دیتے ہوں گے۔

چوہدری کو اپنے پڑوسی دشمن لال دین کی کہی ہوئی ایک بات یاد آ گئی۔ لال دین نے کہا تھا۔۔ بھکارن جوان اور خوبصورت ہو تو اسے بھیک میں کوئی آٹھ آنے بھی نہیں دیتا۔ ہاں قیمت کے طور پر لوگ سو دو سو روپے بھی دے دیتے ہیں۔ یعنی عزت کے ساتھ ایسی بھکارن کو پیٹ بھر کھانا بھی مشکل سے ملتا ہے۔

بھکارن کو نظروں کا احساس ہو گیا تھا۔ اس نے سر اٹھایا اور چوہدری کو دیکھ کر مسکرائی۔ "سیٹھ۔۔۔ کچھ دیتا جا اللہ کے نام پر۔"

چوہدری آگے بڑھا اور اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ فٹ پاتھ پر اس وقت راہ گیروں کا ہجوم تھا لیکن بھکارن کی طرف کوئی توجہ نہیں دے رہا تھا۔ "تو یہاں کیوں بیٹھتی ہے؟" چوہدری نے ہمدردی سے کہا۔ "یہاں تو سب، تجھ پر بری نظر ڈالتے ہوں گے۔"

"کیا کروں سیٹھ۔ مجبوری ہے۔" بھکارن نے کہا۔

چوہدری کو اچانک اس کے پھٹے ہوئے کپڑے نظر آئے۔ اس کی نظریں جھک گئیں۔ بے چاری بہت غریب معلوم ہو رہی تھی۔ "کیا مجبوری ہے تمہیں؟"

"میرے پانچ بچے ہیں سیٹھ!"

چوہدری کو یقین نہیں آیا۔ وہ پانچ بچوں کی ماں تو نہیں لگتی تھی۔ "تو تمہارا شوہر بھی تو ہو گا؟"

"وہ بہت بیمار ہے سیٹھ۔ کچھ کرنے کے قابل نہیں۔"

چوہدری نے اس کے گھر کا اور اس کے دن بھر بھیک مانگنے کا تصور کیا اور لرز کر رہ گیا۔ اس کے پاس خاصی رقم تھی اور وہ بہت کچھ کر سکتا تھا۔ اس نے جیب سے ایک ہزار کا نوٹ نکالا۔ وہ ہچکچا رہا تھا کہ یہ کم تو نہیں۔

بھکارن ہزار کا نوٹ دیکھ کر بے تاب ہو گئی۔ "اس کے لئے مجھے کہاں چلنا ہو گا؟" اس نے پوچھا۔

"[illegible] میں تمہارا گھر بھی دیکھ لوں گا۔ تم یہاں نہ آیا کرو۔ میں ہر مہینے تمہیں ایک ہزار روپے پہنچا دیا کروں گا۔"

ایک لمحے میں بھکارن کے تیور بگڑ گئے۔ "اے سیٹھ۔ سیانا سمجھتا ہے خود کو۔ مجھے اپنے لئے گھر بٹھانا چاہتا ہے۔ وہ بھی صرف ہزار روپے میں۔ مہنگائی کا پتہ بھی ہے۔"

چوہدری کا دل بھر آیا۔ "جانتا ہوں۔" اس نے دل گرفتگی سے کہا۔ "میں تمہیں سلائی مشین خرید کر دے دوں گا۔ تم کپڑے سی کر بھی اچھا خاصا کما لو گی۔"

"کسی کو رکھنے کا شوق ہے تو مال خرچ کرنا بھی سیکھ سیٹھ۔" بھکارن نے بہت

خراب لہجے میں کہا۔ "مجھے سلائی کرنی نہیں آتی۔ آتی بھی تو میں کرتی نہیں۔ تو کیا سمجھتا ہے سیٹھ! یہاں بیٹھ کر میں شام تک عزت آبرو کے ساتھ سات آٹھ سو روپے پیٹ لیتی ہوں۔"

"مگر یہ کوئی عزت کا کام نہیں۔۔"

"تو' تو اور بے عزتی کی بات کر رہا ہے۔۔ وہ بھی ہزار روپے میں؟ جا چلا جا' نہیں تو۔۔"

چوہدری بہت تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ اس دھمکی پر اسے کل صبح کی بھکارن یاد آگئی۔ وہ ڈر گیا۔ اس وقت تو رش بھی بہت تھا لوگوں کا۔ ذرا سی دیر میں چٹنی بن جاتی۔

مایوس وہ اب بھی نہیں ہوا تھا۔ وہ چلتا رہا۔ آگے ایک نابینا فقیر کو دیکھ کر وہ ٹھٹک گیا۔ اس نے قمیص کی باہر والی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اس کے پاس اس جیب میں پانچ سو کا ایک نوٹ تھا۔ اس کے علاوہ دو روپے والے دو سکے پڑے تھے۔

اندھے فقیر کی عمر کم از کم ستر برس ضرور ہوگی۔ وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ تھا۔ اسے دیکھ کر چوہدری کو اپنے سینے میں چبھن کا شدید احساس ہوا۔ اس نے سوچا کہ بڈھے فقیر کا کوئی گھر بھی ہو گا۔ شاید وہاں بہت سے لوگ بھوکے بھی ہوں گے۔ ممکن ہے' چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہوں۔۔ اس بڈھے کے پوتے پوتیاں یا نواسے نواسیاں جو یتیم ہو گئے ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا کوئی گھر نہ ہو۔ اس صورت میں یہ کہاں سوتا ہو گا۔ زندگی کیسے گزارتا ہو گا؟ راستہ کیسے چلتا ہو گا؟ چوہدری کو پتہ بھی نہیں چلا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

چوہدری کا جی چاہا کہ وہ اس فقیر کو کم از کم پچاس روپے دے لیکن اس کے پاس کھلا نہیں تھا۔ اس نے سوچا' فی الحال وہ اس کے کٹورے میں دو روپے والے یہ دو سکے ڈال دے۔ پھر کھلا کرانے کے بعد اسے پچاس روپے دے دے گا۔

اس نے جیب سے دونوں سکے نکالے لیکن عین وقت پر وہ ٹھٹک گیا۔ اسے خیال آیا کہ یہ سکے بھاری ہیں۔ وہ انہیں کٹورے میں ڈالے گا تو کھنکناہٹ کی آواز

ہو گی۔ شور ہو گا تو لوگ چونک کر دیکھیں گے۔ پھر ایک دوسرے سے کہیں گے۔۔ دیکھو کیسا ہمدرد' کیسا سخی آدمی ہے' یعنی پبلسٹی کا خطرہ۔

چوہدری تو ایک گمنام نیکی کرنے کی نیت سے نکلا تھا۔ وہ یہ گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ ایک لمحے کو اس کے جی میں آئی کہ پانچ سو کا نوٹ ہی کٹورے میں ڈال دے لیکن یہ اسے مناسب نہیں لگا۔ اس وقت اسے سگریٹ کی شدید طلب محسوس ہو رہی تھی۔ ابھی وہ سگریٹ خریدے گا تو پانچ سو کا نوٹ کھلا ہو جائے گا اور وہ پچاس روپے فقیر کو دے دے گا۔

اب چوہدری کو یہ کرنا تھا کہ وہ فقیر کے کٹورے میں یہ سکے ایسے ڈالے کہ فقیر کو بھی پتہ نہ چلے۔ وہ جھکا۔ اس نے دیکھا کہ فقیر کے کٹورے میں صرف ایک اٹھنی پڑی تھی۔ اس کا دل لرز گیا۔ ایک بجا تھا اور صبح سے اس غریب کو صرف ایک اٹھنی ملی تھی۔ اٹھنی۔۔ پھر وہ اکڑوں بیٹھ گیا۔

اندھے فقیر نے آہٹ سن لی تھی۔ "کون ہے بابا؟"

چوہدری خاموش رہا۔ اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ اس نیکی کے فریق ثانی کو بھی خبر نہیں ہونے دے گا۔ اس نے کاسے میں ہاتھ ڈالا۔ دو دو روپے کے دونوں سکے بڑی خاموشی سے وہاں رکھ دینا چاہتا تھا۔۔ ایسے کہ سکوں کی آواز بھی نہ ہو۔

ابھی اس کا ہاتھ کٹورے تک پہنچا بھی نہیں تھا کہ اچانک قریب ہی سے کوئی شخص چلایا۔ "چور۔۔چور۔۔ اندھے فقیر کے پیسے چراتا ہے۔"

چوہدری بوکھلا گیا۔ اس نے سر گھما کر آواز کی سمت دیکھا۔ اسی لمحے فقیر نے تیزی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ چوہدری نے پوری قوت سے جھٹکا دے کر اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

عقب سے بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں قریب آ رہی تھیں۔ چوہدری کو یہ فکر تھی کہ اس کی گمنام نیکی کا راز نہ کھل جائے۔ نیکی کرنے سے پہلے ہی اس کی شہرت نہ ہو جائے۔ اس نے بہت تیزی سے دونوں سکے اپنی جیب میں ڈال لئے۔

اچانک پیچھے سے کسی نے اس کی قمیص کا کالر پکڑ کر جھٹکا۔ "چور کے بچے۔۔۔

خبیث۔۔ تجھے یہ اندھا فقیر ہی ملا تھا لوٹنے کیلئے؟" کسی نے اسے کھینچتے ہوئے کہا۔

دیکھتے ہی دیکھتے وہاں بھیڑ لگ گئی۔ کسی نے اندھے فقیر سے پوچھا۔ "تمہارے کتنے پیسے غائب ہیں؟"

فقیر نے اپنا کاسہ ٹٹولا۔ اس کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ اٹھنی تو موجود تھی لیکن یہ شخص اس کاسے میں کیوں گھس رہا تھا۔ کیا کرنا چاہتا تھا۔ یہ تو اس کی سمجھ میں نہیں آیا مگر اس نے یہ سمجھ لیا کہ اس موقعے سے فائدہ اٹھانا چاہئے اور اس شخص کو اس کے کاسے کی طرف ہاتھ بڑھانے پر سزا بھی ملنی چاہئے۔ "میں ابھی ابھی آیا ہوں۔" اس نے کہا۔ "مجھے جو اٹھنی ملی تھی' وہ تو موجود ہے مگر دو سخی مجھے دس دس روپے دے کر گئے تھے۔ وہ غائب ہیں۔" فقیر نے سوچا کہ زیادہ لالچ ٹھیک نہیں۔ بیس روپے مناسب رہیں گے۔

چوہدری کا چہرہ فق ہو گیا۔ وہ تو جانتا تھا کہ فقیر صریحاً جھوٹ بول رہا ہے لیکن وہ لوگوں کو کیسے یقین دلائے گا۔ ابھی وہ غصے میں آنے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ کسی نے اس کی گدی پر ہاتھ رسید کر دیا۔

وہ تھپڑ گویا مصرع طرح تھا' جس پر سب نے شعر کہنے شروع کر دیئے۔ لحموں میں وہاں مشاعرہ برپا ہو گیا۔ سنبھلنے اور کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں تھا۔ کم وقت میں چوہدری کی خاصی تگڑی مرمت ہو گئی۔ بونس میں ملنے والی مختلف' متنوع اور رنگا رنگ گالیاں اس کے علاوہ تھیں۔

اچانک کسی نے چیخ کر کہا۔ "اسے مارتے رہنا پہلے بے چارے فقیر کے بیس روپے تو دلوا دو۔"

"ہاں۔۔ پہلے چوری کا مال برآمد کرو۔"

"تلاشی لو اس کی۔"

کسی نے چوہدری کی تلاشی لی۔۔۔ تفصیلی تلاشی۔ اس دوران میں بھی اس کی ہلکی پھلکی مرمت ہوتی رہی پھر تلاشی لینے والے نے کہا۔ "ارے۔۔ یہ تو کوئی سیٹھ ہے۔ یہ چور کیسے ہو سکتا ہے۔ اس کے پاس اندر کی جیب میں ہزاروں روپے ہیں اور

باہر کی جیب میں پانچ سو کا ایک نوٹ اور دو روپے والے دو سکے۔"

"دس کے نوٹ نہیں ہیں؟" کسی نے پوچھا۔

"نہیں۔" تلاشی لینے والے نے کہا۔

"بے چارے شریف آدمی کو خوامخواہ مارا۔"

ایک بار پھر سیٹھ جسیم کے نوٹوں نے چوہدری کی عزت بحال کر دی تھی۔۔ لیکن اچھی خاصی مرمت کے بعد۔ اب کچھ لوگ اسے چمکار رہے تھے۔ کچھ اس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے معذرت کر رہے تھے۔ بے گناہی ثابت ہونے کے بعد چوہدری شیر ہو گیا۔ اس نے چمکارنے والوں کو جھڑکا اور پیٹھ تھپکنے والوں کے ہاتھ جھٹکے۔

ادھر فقیر نے دل ہی دل میں خود کو برا بھلا کہا۔ میں بھی کتنا احمق ہوں۔ چھوٹی بات کر بیٹھا۔ پانچ سو کہہ دیتا تو کتنا اچھا ہوتا۔ اس نے بلبلاتے ہوئے کہا۔ "ہائے مجھ غریب کے نوٹ۔ ہائے میرے دس کے نوٹ۔"

"بابا۔۔ تمہارے نوٹ اس شریف آدمی کے پاس نہیں ہیں۔" کسی نے فقیر کو مطلع کیا' جیسے وہ اندھا ہونے کے ساتھ ساتھ بہرا بھی ہو۔

"اچھا۔۔ پھر کوئی اور لے گیا ہو گا۔" اندھے فقیر نے بجھے بجھے لہجے میں کہا اور پھر واویلا شروع کر دیا۔ "ہائے میرے نوٹ۔۔ ارے میرے چھوٹے چھوٹے یتیم بچے بھوکے مر رہے ہوں گے۔"

"ارے ارے۔۔ کتنی زیادتی ہوئی ہے اس بے چارے کے ساتھ۔" کوئی بولا۔

"یہ جھوٹ بول رہا ہے۔ میں نے خود دیکھا تھا' اس کے کاسے میں اٹھنی کے سوا کچھ تھا ہی نہیں۔" چوہدری نے تپ کر کہا۔

"ہائے میرے نوٹ۔۔ ارے میرے یتیم بچے۔۔" فقیر بدستور واویلا کیے جا رہا تھا۔

"آپ اس کے کاسے میں کیا دیکھ رہے تھے جناب؟" ایک تماشائی نے چوہدری سے بڑے احترام سے دریافت کیا۔

"اس کے کٹورے میں خاموشی سے چار روپے ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا۔"

چوہدری نے کہا۔ "مگر شاید اصل بات یہ ہے کہ میری کھال کھجلا رہی تھی۔"

فقیر کا واویلا اب بھی جاری تھا۔ ایک شخص نے چوہدری کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "تو جناب' آپ اب اسے وہ چار روپے دے دیں۔"

"میں اس جھوٹے' بہتان طراز بڈھے کو ایک پیسہ بھی نہیں دوں گا۔" چوہدری نے سختی سے کہا۔

"اپنی عزت کا صدقہ سمجھ کر دے دیں۔" اس شخص نے التجا کی۔

"تو یہ تم لوگ میری عزت کر رہے تھے۔۔ ہیں؟" چوہدری آپے سے باہر ہو گیا۔ "مارپیٹ کر' گالیاں دے کر میری عزت افزائی کر رہے تھے؟"

وہ شخص چپکے سے کھسک لیا۔ مجمع بھی تتر بتر ہونے لگا۔ چوہدری اپنی چوٹیں سہلاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ اندھے فقیر کا واویلا اب بھی جاری تھا۔

○

خلاف معمول چوہدری محکوم اللہ کا غصہ جلد ہی سرد ہو گیا۔ اس کیلئے اسے خود کو یاد دلانا پڑا کہ وہ نیکی کی جستجو میں نکلا ہے۔۔۔ نیکی اور وہ بھی بے غرض اور گمنام نیکی' جو صلے سے بے پروا ہو اور یہ بات اب طے ہو گئی تھی کہ یہ کوئی آسان کام نہیں۔ یہاں تو نیکی الٹا بدی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

چوہدری نے ایک دکان سے سگریٹ کا پیکٹ اور ماچس خریدی۔ یوں پانچ سو کے نوٹ کا کھلا بھی مل گیا۔ اس دوران میں اس نے اپنی اندرونی جیب پر یونہی ہاتھ مارا تو اسے زبردست جھٹکا لگا۔ اس نے گھبرا کر اپنی اندر کی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ لیکن وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ اس کے باوجود وہ بہت دیر تک جیب ٹٹولتا رہا۔ جیسے کسی بھی لمحے جادو کے زور سے اس کی غائب رقم اچانک جیب میں نمودار ہو جائے گی' لیکن ایسا ہوا نہیں۔

وہ اپنی جگہ کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔ اس کا ذہن بالکل خالی ہو گیا تھا۔ نہ صرف سیٹھ جسیم کے دیے ہوئے دس ہزار اس کی جیب سے غائب تھے بلکہ وہ پانچ ہزار بھی جو وہ نیکی کی نیت سے اپنی بیوی سے لے کر گھر سے نکلا تھا۔

اسے سنبھلنے میں چند منٹ لگے۔ وہ کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل ہوا تو اس نے پیکٹ کھولا اور ایک سگریٹ نکال کر سلگائی۔ پھر وہ تھکے تھکے قدموں سے جہانگیر پارک کی طرف چل دیا۔ پارک میں اس نے ایک سنسان گوشے کا رخ کیا اور ایک بنچ پر جا بیٹھا۔ وہ سکون سے سوچنا چاہتا تھا۔

اس نے سوچا اندھے فقیر کے ساتھ ایک چھوٹی سی' معمولی سی نیکی کرنے کی جو اس نے کوشش کی تھی' وہ نہ صرف ناکام ثابت ہوئی بلکہ اسے بہت مہنگی پڑی۔ سیٹھ جسیم کے دیے ہوئے دس ہزار کو تو خیر چھوڑو' اس کے وہ پانچ ہزار بھی صاف ہو گئے جو وہ نیکی کی سرمایہ کاری کی غرض سے لے کر نکلا تھا۔ اب وہ کیا کرے گا۔ اسے کوئی بڑا ضرورت مند نظر آ گیا تو وہ اس کی کیسے مدد کرے گا۔ اور یہ ہاتھ صاف اس کی جامہ تلاشی لینے والوں میں سے کسی نے اس کی مرمت کے دوران کیا ہو گا۔ اس وقت تو اسے اتنا ہوش ہی نہیں تھا۔

یہ سوچتے ہوئے اچانک اس پر دو باتیں منکشف ہوئیں۔ ایک یہ کہ اس کے پانچ ہزار کی کوئی اہمیت نہیں۔ اتنے بڑے شہر میں وہ ڈھونڈتا پھر رہا ہے اور اسے کوئی ایک ضرورت مند بھی نہیں مل رہا ہے۔ دوسرے اسے احساس ہوا کہ اس نے بے جا طور پر سیٹھ جسیم کے دیے ہوئے دس ہزار کی تحقیر کی ہے۔ اسے اس کا کوئی حق نہیں تھا کیونکہ اس رقم ہی کی وجہ سے دو بار وہ بڑی مصیبتوں سے نکلا تھا۔ وہ رقم اس کیلئے تو فیض رساں ہی ثابت ہوئی تھی اور اس کی تحقیر کر کے وہ ناشکرے پن کا ارتکاب کر رہا ہے۔

اب کے اسے وہ رقم نکل جانے پر کمزوری کا احساس ہونے لگا۔ وہ توہم پرست آدمی نہیں تھا۔ لیکن اس وقت اس کے دل میں آ رہی تھی کہ اس کی جیب میں اس رقم کی موجودگی اس کیلئے مبارک تھی۔ اور اب وہ نکل گئی ہے تو یہ اس کیلئے کوئی اچھا شگون نہیں۔ اب وہ کسی مشکل میں پھنسا تو سچ مچ بڑی پریشانی ہو گی۔

"وہ بہت دیر اس بنچ پر بیٹھا رہا۔ اس کی طاقت جیسے ختم ہو گئی تھی۔ اس کو اٹھنے کی ہمت بھی نہیں ہو رہی تھی اور نیکی کے تصور سے ہی اسے خوف آ رہا تھا۔

اس نے حساب لگایا۔ اس کی جیب میں دو سکوں کے علاوہ اب صرف 480 روپے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ یہ مہنگائی کا زمانہ ہے۔ اس میں لوگوں کی ضرورتیں بھی بڑی ہوتی ہیں۔ 480 روپے میں کسی کا کیا بھلا ہو سکتا ہے۔

چار بجے کے قریب اسے بھوک لگنے لگی۔ وہ اٹھا اور ایمپریس مارکیٹ کی طرف چل دیا۔ کٹرک روڈ پر ایک ہوٹل تھا' جہاں بہت اچھی بریانی ملتی تھی۔

کٹرک روڈ پر وہ چند قدم ہی چلا تھا کہ ایک مجہول سے نوجوان نے اس کا راستہ روک لیا۔ اس کی عمر بیس سال رہی ہو گی۔ لیکن صحت اس کی بہت خراب تھی۔ اس کا چہرہ مدقوق تھا' آنکھوں کے گرد گہرے سیاہ حلقے تھے۔ وہ قمیص پینٹ پہنے ہوئے تھا۔ قمیص کے اوپر اس موسم میں اسے کوٹ پہنے دیکھ کر چوہدری کو بہت حیرت ہوئی۔ دوسری طرف لڑکے کی آنکھوں میں ویرانی اور خالی پن دیکھ کر اس کا دل کٹنے لگا۔

"السلام علیکم جناب!" لڑکے نے اسے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام بیٹے!" چوہدری نے شفقت سے کہا پھر پوچھا۔ "کیا بات ہے بیٹے' کوئی پریشانی ہے تمہیں؟"

"جج--- جی ہاں جناب!" لڑکے سے بولا نہیں جا رہا تھا۔

"مجھے بتاؤ' شاید میں تمہارے کسی کام آ سکوں؟" چوہدری نے کہا اور ادھر ادھر دیکھا۔ سڑک پر زیادہ بھیڑ نہیں تھی اور ان کی طرف کوئی متوجہ بھی نہیں تھا۔ وہ خوش ہو گیا۔ نیکی خود چل کر اس کے پاس آئی تھی اور پبلسٹی کا خدشہ بھی نہیں تھا۔

"مم-- میں بیمار ہوں سر"

"کیا ہوا ہے تمہیں؟" چوہدری نے پوچھا۔

"مجھے-- مجھے شوگر ہے جناب!"

چوہدری کو شاک لگا۔ اس عمر میں شوگر! اس عمر میں تو شوگر کی ضرورت ہوتی ہے۔ شوگر توانائی میں تبدیل ہوتی ہے۔ بڑے بڑے کام کراتی ہے۔

لڑکے نے اس کی آنکھوں میں بے یقینی دیکھی تو گڑگڑانے لگا۔ "شاید آپ کو یقین نہیں آیا سر! لیکن حقیقت یہ ہے کہ میری بیماری بہت بڑھی ہوئی ہے۔"

چوہدری کو شرمندگی ہوئی۔ اس نے دل ہی دل میں اللہ سے توبہ کی۔ وہ تو اپنی نیکی خراب کر رہا تھا۔ ضرورت مند کی ضرورت پر' پریشان حال کی پریشانی پر شک کر کے۔ اس کے اس رویے سے اس لڑکے کی کتنی دل آزاری ہوئی ہو گی اور اب اسے یقین آیا تو اس کا دل لرز کر رہ گیا۔ اس عمر میں شوگر۔

شاید لڑکے کو گمان ہوا کہ اسے اب بھی یقین نہیں آیا ہے۔ اس نے گڑگڑاتے ہوئے کہا۔ "میں سچ کہہ رہا ہوں جناب۔ مجھے انسولین کے ٹیکے لگوانے پڑتے ہیں۔ آپ خود دیکھ لیں سر!" یہ کہہ کر اس نے کوٹ کی اور قمیص کی آستینیں اوپر سرکائیں اور ہاتھ اسے دکھایا۔

اس بار چوہدری پر لرزہ چڑھ گیا۔ لڑکے کے ہاتھ پر سوائے ہڈیوں اور نسوں کے کچھ بھی نہیں تھا اور اس پر ستم یہ کہ وہ ہاتھ کلائی سے کہنی تک سوئیوں سے چھدا ہوا تھا۔ بے شمار سوئیوں کے نشان تھے۔ ان میں سے پرانے سخت اور سیاہ ہو گئے تھے۔ چوہدری کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"مجھے انجکشن لگوانا ہے سر اور میرے پاس پیسے نہیں ہیں اور مجھے بھوک بھی لگی ہے سر!"

"کتنے پیسوں کی ضرورت ہے تمہیں؟"

"دس بیس میں کام چل جائے گا جناب۔"

"دس بیس روپے میں؟" چوہدری نے حیرت سے دہرایا۔ یہ بات اس کیلئے ناقابل فہم تھی کہ اتنے پیسوں میں انسولین کا انجکشن بھی لگوایا جا سکتا ہے اور پیٹ بھر کر کھانا بھی کھایا جا سکتا ہے۔

لڑکے کو لگا کہ شاید چوہدری کو دس بیس روپے کا سوال برا لگا ہے۔ اس نے جلدی سے کہا۔ "چلئے سر-- آپ مجھے پانچ روپے ہی دے دیں۔"

"تم غلط سمجھے ہو۔" چوہدری نے معذرت کی۔ "میرا مطلب تھا کہ دس یا بیس روپے میں تم یہ دونوں ضرورتیں پوری کیسے کر سکتے ہو۔ انسولین کا انجکشن بھی خاصا مہنگا آتا ہو گا۔ پھر ڈاکٹر بھی انجکشن لگانے کی فیس لے گا اور اس کے بعد کھانا---"

"یہاں کچھ دور ایک خیراتی شفا خانہ ہے سر۔ وہاں صرف پانچ روپے دینے ہوتے ہیں پرچی بنانے کے۔ کبھی شفا خانہ بند ہو تو انجکشن میں خود بھی لگا لیتا ہوں اپنے۔"

خود انجکشن لگانے کا تصور کر کے چوہدری کا دل کانپ گیا۔ "بیٹے-- میرے پاس بہت زیادہ پیسے تو نہیں ہیں۔" اس نے کہا۔ اور جیب سے سو کا نوٹ نکال کر لڑکے کی طرف بڑھایا۔ "فی الحال تم یہ رکھ لو اور ہاں' انجکشن کبھی خود نہ لگانا۔"

"مم--- مہرب--- بانی جناب---! آ-- آپ کک-- کا نام کک--- کیا ہے؟" لڑکے کے ٹوٹتے لہجے میں شکرگزاری چھلک رہی تھی۔

چوہدری کا دل سچی خوشی سے معمور ہو گیا۔ "نام سے کچھ نہیں ہوتا بیٹے!" اس نے بے حد شفقت سے کہا۔ "میرے پاس اللہ کی دی ہوئی وہ چیز تھی' جس کی تمہیں ضرورت تھی۔ وہ میں نے تمہیں دے دی' تمہاری امانت۔ بس اتنا کافی ہے' نہ یہ مہربانی ہے نہ احسان۔"

لڑکا آگے بڑھ گیا۔ چوہدری نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ ایسا لگتا تھا کہ لڑکے کے پیروں میں جان پڑ گئی ہے۔ اپنی حالت کے اعتبار سے وہ حیرت انگیز تیز رفتاری کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ لڑکا مین روڈ پر مڑا تو چوہدری بھی اپنے راستے پر چل دیا۔

چوہدری کی اس وقت کی طمانیت ناقابل بیان تھی۔ ایسی خوشی اسے زندگی میں کبھی نہیں ملی تھی۔ ارے-- نیکی اتنی آسان ہے۔ کبھی تو میں سوچتا اور کہتا تھا لیکن نہ جانے کیوں میرے لئے اتنی دشوار ہو گئی تھی۔ کاش میری جیب نہ کٹی ہوتی۔ میں اس لڑکے کو وہ پانچ ہزار دے دیتا۔ یہ کافی دنوں کیلئے علاج سے بے نیاز ہو جاتا۔

چوہدری نے اطمینان کی گہری سانس لی۔ اس کے پھیپھڑے ہوا سے اور دل جیسے روشنی سے بھر گیا۔ اب وہ سکون سے کھانا کھا سکے گا۔ وہ کامیاب جو ہو گیا ہے۔ جس کام کی نیت سے وہ نکلا تھا' وہ اس نے کر لیا۔ اور آج اسے نیند بھی بہت اچھی آئے گی۔

وہ ہوٹل کی طرف بڑھا۔ اچانک اسے بوڑھی عورت نظر آئی جو مخالف سمت

سے تیز قدموں سے چلتی اس طرف آ رہی تھی۔ ساتھ ہی وہ متلاشی نظروں سے ادھر ادھر بھی دیکھ رہی تھی۔ چوہدری اسے بھی ممکنہ اور متوقع نیکی سمجھ کر غور سے دیکھنے لگا۔ شاید قسمت اس پر مہربان ہو گئی ہے۔ کون جانے' ابھی پے در پے اسے متعدد نیکیاں نصیب ہو جائیں۔

بوڑھی عورت نے اسے متوجہ پایا تو اس کے قریب آ کر رک گئی۔ اس کی نگاہوں میں اب بھی بے چینی تھی۔

"اماں-- کسی کو ڈھونڈ رہی ہو؟" چوہدری نے اس سے پوچھا۔

"ہاں بیٹا۔ اپنے بیٹے کو تلاش کر رہی ہوں۔"

"کتنا بڑا ہے تمہارا بیٹا؟"

"سولہ سال کا ہے۔" بڑھیا نے کہا۔ "ابھی چند منٹ پہلے گھر سے نکلا تھا۔"

"نہیں اماں--- وہ کسی اور طرف گیا ہو گا۔ ادھر سے تو میں نے اس عمر کے کسی لڑکے کو گزرتے نہیں دیکھا۔"

"بیٹا' وہ بدنصیب دیکھنے میں بڑا لگتا ہے اور ہاں' پہچان یہ ہے کہ وہ کوٹ پہنے ہوئے ہے۔"

چوہدری سمجھ گیا کہ یہ اسی لڑکے کی ماں ہے اور شاید یہ بھی اس کی دوا کیلئے پریشان پھر رہی ہے۔ "وہی تو نہیں' جو بیمار ہے۔"

"تمہیں کیسے معلوم؟" بڑھیا نے اسے مشکوک نظروں سے دیکھا۔

چوہدری اپنی خاموش اور گمنام نیکی کو کیسے بے نقاب کرتا۔ اس نے کہا۔ "کوٹ پہنے ہوئے تھا وہ-- اور بہت کمزور تھا۔ صورت سے بیمار لگتا تھا۔"

"ہاں' وہی نامراد میرا بیٹا ہے۔" بڑھیا نے افسردگی سے کہا۔ "تم نے دیکھا تھا اسے؟ کس طرف گیا ہے وہ؟"

"اماں-- وہ ایمپریس مارکیٹ کی طرف گیا ہے۔"

"بھیا-- تم نے پیسے تو نہیں دیئے اسے؟"

چوہدری کو اس پریشان حال بڑھیا پر ترس آنے لگا۔ بے چاری کتنی پریشان ہے

بیمار بیٹے کیلئے۔ وہ اسے اس پریشانی سے نجات دلا سکتا تھا۔ اسے بتا سکتا تھا کہ وہ فکر نہ کرے، اس نے اسے انجکشن کیلئے پیسے دے دیئے ہیں۔ یہ بھی نیکی ہوتی لیکن اس کے نتیجے میں پچھلی نیکی ضائع ہو جاتی۔ بڑھیا کی شکر گزاری اور اس کی اس خاموش نیکی کو مجروح کر دیتی۔ پھر بھی اسے افسوس ہوا کہ وہ اس عورت کو سکون دے سکتا ہے لیکن نہیں دے رہا ہے۔ صرف اپنی خودغرضی کی وجہ سے۔ اب یہ پریشان اسے ڈھونڈتی رہے گی۔ پھر اسے خیال آیا کہ لڑکا انجکشن لگواکر آئے گا تو اس عورت کو سکون مل جائے گا۔ اس کی پریشانی وقتی ہے۔ اس خیال نے چوہدری کے بوجھل پن کو ختم کر دیا۔ "نہیں اماں، میں نے اسے بس یہاں سے گزرتے ہوئے دیکھا تھا۔" اس نے عورت سے کہا۔ "ویسے اماں اسے بیماری کیا ہے؟"

"بہت منحوس بیماری ہے اس کو۔" بڑھیا نے سخت لہجے میں کہا۔ "وہ پڑیا پر بھی لگا ہوا ہے اور ٹیکے پر بھی۔"

چوہدری کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ "میں سمجھا نہیں اماں!"

"ارے وہی۔۔ کیا کہتے ہیں اس منحوس چیز کو۔۔ ہاں ہیروئن۔۔ اور نشے کا ٹیکہ۔۔ دونوں لیتیں ہیں خبیث کو۔" بڑھیا سر کے بال نوچنے لگی۔ "میں اسے گھر میں بند رکھنے کی کوشش کرتی ہوں۔ باندھ کر رکھتی ہوں پھر بھی کسی نہ کسی طرح نکل جاتا ہے کم بخت۔"

چوہدری کو لگا کہ اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی ہے۔ اسے خود پر غصہ آنے لگا۔ جس دنیا میں وہ رہتا ہے، اس سے کتنا بے خبر ہے اور انسانوں کی سمجھ بھی نہیں ہے اس کو۔

"وہ بہت چالاک ہے اور دنیا احمقوں سے بھری ہوئی ہے۔" بوڑھی عورت اپنی کہے جا رہی تھی۔ "وہ کسی نہ کسی سے پیسے بٹور لیتا ہے۔ تھوڑے پیسے ملے تو پڑیا اور زیادہ ملے تو انجکشن، بس یہی زندگی ہے اس منحوس کی۔"

چوہدری کو لگا کہ عورت براہ راست اسے احمق کہہ رہی ہے اور درست ہی کہہ رہی ہے۔

"مجھے دل کے نرم احمق لوگ بہت برے لگتے ہیں۔ نفرت ہے مجھے ان سے۔" عورت اب تند لہجے میں کہہ رہی تھی۔ "اسے پیسے دینے والے سمجھتے ہیں کہ وہ کوئی بہت بڑی نیکی کر رہے ہیں۔ انہیں نہیں معلوم کہ کتنا بڑا گناہ ہے۔ اللہ انہیں جہنم رسید کرے گا تو انہیں پتہ چلے گا۔ عقل کے اندھوں کو نیکی اور گناہ کا فرق بھی نہیں دکھتا۔۔۔"

چوہدری کی روح تک لرز کر رہ گئی۔ نیکی کا خیال تو ہوا ہو گیا۔ وہ بدترین گناہ کا بوجھ اپنی گردن پر محسوس کر رہا تھا اور اس کی گردن دکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ندامت کی سرخی پھیل گئی تھی۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔

"اب تو یہ مر ہی جائے تو اچھا ہے۔ پورے گھر کو تباہ کر دیا ملعون نے۔" عورت اب اپنے بیٹے کو برا بھلا کہہ رہی تھی۔ پھر وہ چوہدری کی طرف مڑی۔ "تمہارا شکریہ بیٹے۔ میں جاتی ہوں اسے ڈھونڈنے لیکن مجھے یقین ہے کہ اسے کوئی احمق مل چکا ہو گا اب تک۔ نہیں ملا تو مل جائے گا۔ میری قسمت میں تو اس کے پیچھے پیچھے بھاگنا لکھا ہے۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

چوہدری نے دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔ عورت کو معلوم ہی نہیں تھا کہ وہ اتنی دیر تک ایک بہت بڑے احمق سے گفتگو کرتی رہی ہے۔

چوہدری کی بھوک اڑ گئی۔ وہ دل ہی دل میں خود کو ملامت کرتا رہا۔ واقعی اس نے بڑی غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا تھا۔ وہ نیکی کرنے کیلئے اتنا بے تاب ہو رہا تھا کہ اس نے جلد بازی کا مظاہرہ کیا اور عقل سے کام نہیں لیا۔ نتیجہ یہ کہ نیکی برباد گناہ لازم۔ یوں تو اس کے دونوں جہان کے ولدر دور ہونے کے بجائے الٹے بڑھتے چلے جائیں گے۔

وہ بریانی کو بھول کر ایمپریس مارکیٹ کے بس اسٹاپ کی طرف چل دیا۔ وہ بری طرح جھنجلا رہا تھا۔ اس نے پیکٹ سے ایک سگریٹ نکال کر سلگایا اور بس اسٹاپ پر جا کھڑا ہوا۔ یہاں سے شہر کے ہر حصے کیلئے گاڑیاں ملتی تھیں اسی لئے ہجوم بہت ہوتا

تھا۔

وہاں کھڑا ہو کر وہ سگریٹ کے کش لیتا اور سوچتا رہا۔ اچانک اسے سورۃ بقرہ کے 37 ویں رکوع کی آخری آیت کا ترجمہ یاد آیا۔ اس میں اللہ نے ایسے لوگوں پر خرچ کرنے کا حکم دیا تھا' جو زمین میں چلنے پھرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ سوال نہ کرنے کی وجہ سے ناواقف لوگ انہیں خوشحال سمجھتے ہیں اور اللہ نے فرمایا کہ تم ان کو ان کے چہرے سے پہچان سکتے ہو۔ یہ لوگ لوگوں کے پیچھے نہیں پڑتے لوگوں سے مدد نہیں مانگتے۔

یہ آیت یاد آئی تو چوہدری کی وقتی مایوسی دور ہو گئی۔ وہ ایک نئے اور تازہ جذبے سے سرشار ہو گیا۔ اس آیت میں بیان کئے گئے لوگوں کو تلاش کرنے کیلئے ضرورت صرف اس بات کی تھی کہ لوگوں کو بہت غور سے دیکھا جائے۔ ان کا مشاہدہ کیا جائے۔ چنانچہ وہ لوگوں کو بہت غور سے دیکھنے لگا۔

شام کا وقت تھا۔ بس اسٹاپ پر لوگوں کا رش تھا۔ وہاں جو لوگ کھڑے تھے' ان کے روٹ کی بس آتی تو وہ اس بس میں بیٹھ جاتے لیکن بس کے منتظر لوگوں کی تعداد میں کمی نہیں' زیادتی ہو رہی تھی۔ جتنے لوگ کم ہوتے تھے' اس سے زیادہ آ جاتے تھے۔ بس چہرے بدل رہے تھے۔

چوہدری نے دوسرا سگریٹ جلایا اور کھڑا یہ تماشہ دیکھتا رہا۔ اچانک اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اسے لگا کہ اسے اپنا مطلوبہ آدمی مل گیا ہے۔ اس نے اپنی توجہ لوگوں کی بھیڑ سے ہٹا لی اور صرف اس شخص پر مرکوز کر دی۔

وہ شخص صاف ستھری پینٹ شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ پیروں میں سیاہ چمک دار جوتے تھے' جن کی چمک بتاتی تھی کہ انہیں آج ہی پالش کیا گیا ہے۔ اس کی عمر 35 اور 40 کے درمیان ہو گی۔ وہ خوش شکل تھا۔ اس کے چہرے پر وقار اور ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ وہ چہرے سے ہنس مکھ اور خوش مزاج لگتا تھا۔

چوہدری نے اس پر توجہ نہیں دی تھی لیکن اسے احساس تھا کہ جب سے وہ بس اسٹاپ پر آیا ہے' یہ شخص بھی وہاں موجود ہے۔ ممکن ہے اس کی مطلوبہ بس یا

منی بس ابھی تک نہیں آئی ہو۔ بہرکیف اب اس نے فیصلہ کر لیا کہ اس شخص پر نظر رکھنی ہے۔

دو منٹ بعد 4k کی بس آئی تو وہ شخص بس کی طرف بڑھا لیکن پھر اس کے قدم ٹھٹک گئے۔ چند لمحے وہ کھڑا ہچکچاتا رہا پھر پیچھے آ کر دوبارہ فٹ پاتھ پر کھڑا ہو گیا۔

چوہدری نے سوچا' ممکن ہے' یہ بس اسے گھر سے کچھ دور اتارتی ہو۔ اس لئے یہ پلٹ آیا ہے۔

مگر وہ شخص 4k کی دوسری بس کی طرف بھی اسی طرح بڑھا' اسی طرح ہچکچایا اور اسی طرح پلٹ آیا۔

وہ شخص باہر کسی زاویے سے بھی نادار اور ضرورت مند نہیں لگ رہا تھا بلکہ خوش حال نظر آتا تھا مگر اگلے چند منٹوں میں چوہدری کو اندازہ ہو گیا کہ انسانوں کو غور سے دیکھا جائے تو بہت کچھ پتہ چل جاتا ہے۔ غور سے دیکھنے پر چوہدری نے جان لیا کہ اس شخص کے کپڑے صاف ستھرے بھی ہیں اور ان پر نفاست سے استری بھی کی گئی ہے لیکن غور سے دیکھا جائے تو ان کی بوسیدگی نظر آ جاتی ہے۔ کپڑے کافی پرانے ہیں۔

پھر چوہدری نے اس کے جوتوں کو دیکھا۔ جوتے چمک دار ضرور تھے لیکن ان کی ایڑیاں بہت گھسی ہوئی اور ناہموار تھیں۔ اس وجہ سے اسے ایک طرف جھکنا پڑ رہا تھا۔

اس نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا تو اسے احساس ہوا کہ کبھی کبھی اس کے چہرے پر ایک لمحے کیلئے پریشانی کا ایک سایہ سا لہرا جاتا ہے۔ وہ خوش مزاج ضرور ہے اس کے ہونٹ ہروقت مسکرانے کے عادی بھی ہیں لیکن اس وقت وہ مسکراہٹ بہت بجھی بجھی سی ہے۔

4k کے روٹ پر چلنے والی بسوں کی تعداد کم نہیں۔ ہر ایک منٹ کے بعد ایک بس آ جاتی ہے اور کبھی کبھی تو ایک ساتھ دو بلکہ تین بسیں بھی آ رہی تھیں۔ اس کے مشاہدے کے دوران میں وہ شخص مزید چھ سات بسیں مس کر چکا تھا اور 4k کے

علاوہ کسی بس یا منی بس میں اس نے دلچسپی نہیں لی تھی۔

چوہدری اس شخص کو بہت غور سے دیکھتا رہا۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ اس شخص کو کسی طرح کچھ دے دے لیکن دو مسئلے تھے۔ ایک یہ کہ اس بار وہ جلد بازی میں کوئی غلط فیصلہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ دوسرے یہ کہ ایسے شخص کی مدد کیسے کی جائے۔ جو اپنا حال دوسروں سے چھپا رہا ہے۔ وہ برا بھی مان سکتا ہے اور بے عزتی بھی کر سکتا ہے۔ ویسے بھی یوں مدد قبول کر کے وہ شرمندہ ہو گا۔ یہ بھی اچھی بات نہیں۔ اسے تو اس طرح سے کچھ دیا جائے کہ اسے پتہ بھی نہ چلے۔ اب سوچنا یہ ہے کہ اسے کس طرح ممکن بنایا جائے۔

چوہدری سوچتا رہا لیکن اس شخص پر سے اس نے نظر نہیں ہٹائی تھی۔

اب وہ شخص کچھ مضطرب نظر آ رہا تھا۔ وہ بار بار پہلو بدل رہا تھا پھر اس نے سر اٹھا کر ایمپریس مارکیٹ کے گھنٹا گھر کی طرف دیکھا اور مایوس نظر آنے لگا۔ چوہدری نے بھی ادھر دیکھا اور اس کی مایوسی کی وجہ سمجھ گیا۔ گھنٹا گھر کی گھڑی بند تھی۔

اس شخص نے اپنے قریب کھڑے ایک اور شخص سے وقت پوچھا۔ اس کا اندازہ اس سے ہوا کہ قریب کھڑے شخص نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی دیکھنے کے بعد اسے جواب دیا تھا۔ وقت پوچھنے کے بعد اس شخص کی بے تابی اور اضطراب اور بڑھ گیا۔ وہ ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ جیسے اس کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا ہو۔ ایسے ہی ایک لمحے میں چوہدری کو اس کی آنکھوں میں دیکھنے کا موقع مل گیا اور جو کچھ اسے ان آنکھوں میں نظر آیا' اس سے اس کے اندازے کی حتمی تصدیق ہو گئی۔

چوہدری تلی ہوئی مچھلی بیچتا تھا۔ آنکھوں میں نظر آنے والی بھوک کا اسے بہت تجربہ تھا۔ وہ اسے بہت اچھی طرح پہچانتا تھا۔ اس کی دکان کے سامنے سے کوئی بھوکا شخص گزرتا تو وہ مچھلی کو ایک خاص انداز سے دیکھتا تھا لیکن آنکھوں کی اس کیفیت کے نیچے ایک خالی پن سا۔۔ ایک نقاہت سی بھی ہوتی تھی۔ چوہدری اس سے پہچان لیتا تھا کہ اس شخص نے کتنے وقت سے کھانا نہیں کھایا ہے۔ کبھی وہ ایسے لوگوں کو خود ہی بلا کر مچھلی کھلا بھی دیتا تھا۔

اس وقت اس خوبرو خوش پوش اور باوقار شخص کی آنکھوں میں اسے بھوک تو نظر نہیں آئی لیکن وہاں نقاہت اور خالی پن بالکل واضح تھا اور چوہدری دعوے سے کہہ سکتا تھا کہ اس شخص نے دن بھر کچھ نہیں کھایا ہے۔ ممکن ہے' گزشتہ رات کھایا ہو۔

چوہدری کا دل بھر آیا۔ دنیا میں ایسے رکھ رکھاؤ' ایسے صبر والے لوگ بھی ہوتے ہیں۔

اس بار جو 4k آئی تو وہ شخص بڑے اعتماد سے بس کی طرف بڑھتا گیا۔ لوہے کا ہینڈل تھام کر وہ پائیدان پر چڑھا لیکن اگلے ہی لمحے وہ پھر نیچے اتر آیا اور فٹ پاتھ کی طرف پلٹ گیا۔ اس کے چہرے پر عجیب سا تاثر تھا۔ شرمندگی' کھسیاہٹ' بے بسی جیسے آپس میں گھل مل رہی تھیں۔

اب چوہدری کو یقین ہو گیا وہ شخص نہ صرف دن بھر کا بھوکا تھا بلکہ اس کی جیب بالکل خالی تھی اس لئے وہ بس میں نہیں چڑھ پا رہا تھا اور اس کی بے تابی' اس کا اضطراب ظاہر کرتا تھا کہ وہ گھر واپس پہنچنے کیلئے بے چین ہے۔

اس لمحے چوہدری کے ذہن میں ایک بے حد خوف ناک سوال نے سر اٹھایا۔ کیا اس شخص کے گھر میں اس کے بیوی بچے بھی بھوکے ہوں گے۔ وہ اس پر سوچ ہی رہا تھا کہ 4k کی ایک اور بس آ گئی۔ اس بار وہ شخص نہ صرف بس کی طرف بڑھا بلکہ بس میں بیٹھ ہی گیا۔

چوہدری کے غبارے میں ایک پن چبھی' شوں کی طویل آواز کے ساتھ ساری ہوا نکل گئی۔ اچھا ہی ہوا کہ میں نے کچھ نہیں کہا۔ اس نے سوچا۔ میرے سارے اندازے غلط تھے۔ شاید اس شخص کا اضطراب اس لئے تھا کہ وہ کسی کا انتظار کر رہا تھا اور آنکھوں کی نقاہت کا سبب بھوک نہیں ہو گی۔ شاید وہ بیماری سے اٹھا تھا۔ بیماری کے فوراً بعد ہی تو آنکھوں میں یہ کیفیت آ جاتی ہے۔

وہ اس سے زیادہ نہیں سوچ سکا۔ اس کی نظریں اس بس کے دروازے پر جمی تھیں' جس میں وہ شخص بیٹھا تھا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا کیونکہ وہ شخص

اب بس سے اتر رہا تھا۔ اس بار وہ فٹ پاتھ کی طرف نہیں گیا بلکہ بس اسٹاپ سے آگے کی طرف چل دیا۔ لگتا تھا کہ اس نے پیدل گھر جانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔

وہ شخص چوہدری کے قریب سے گزرا تو چوہدری کو اس کی آنکھوں کی نمی بالکل صاف نظر آئی پھر اس نے اسے جاتے ہوئے دیکھا تو اس کے قدموں کی لڑکھڑاہٹ بھی بالکل واضح تھی۔ اب چوہدری نے سمجھ لیا کہ اس کا اندازہ بالکل درست تھا اور اس نے فیصلہ کرلیا کہ اسے اس سلسلے میں کچھ کرنا ہو گا۔

چوہدری تھوڑے فاصلے کے ساتھ اس شخص کے پیچھے چلنے لگا۔ وہ شخص بس اسٹاپ سے آگے جو چوراہا تھا' وہاں پہنچ کر رک گیا۔ یہاں ایک سائڈ روڈ تھا' جو مین روڈ کو کاٹتا ہوا گزر رہا تھا۔ سامنے اسٹار سینما نظر آ رہا تھا۔ شام کو ٹریفک کے رش کی وجہ سے موٹر سائیکل سوار اسی سڑک کا رخ کرتے تھے۔

وہ شخص کھڑا ہو گیا۔ چوہدری بھی تھوڑے فاصلے پر رک کر اسے بغور دیکھتا رہا۔ چند منٹ بعد اس کی سمجھ میں آگیا کہ وہ شخص اس امید پر وہاں آیا ہے کہ شاید کوئی موٹر سائیکل والا اسے لفٹ دے دے گا لیکن خودداری اسے ہاتھ کے اشارے سے کسی موٹرسائیکل سوار کو روکنے کی اجازت بھی نہیں دے رہی تھی۔ کوئی موٹر سائیکل آتی نظر آتی تو اس شخص کا ہاتھ کپکپاتا جیسے اشارہ کرنے کیلئے حرکت میں آ رہا ہو مگر اگلے ہی لمحے سختی سے اس کی مٹھی بھنچ جاتی۔

چوہدری کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ کس طرح اس شخص کی مدد کرے۔ ایسے کہ نہ اسے پتہ چلے' نہ اس کی خودداری کو ٹھیس لگے۔ اس شخص کی شرمندگی ہوئی تو اس کی نیکی لاحاصل ہی ہو گی۔

موٹرسائیکل سوار لوگ گزرتے رہے۔ وہ شخص رکنے کا اشارہ دینے سے خود کو روکنے کیلئے مٹھیاں بھینچتا رہا۔ چوہدری اس کی مدد کرنے کی کوئی ترکیب سوچتا رہا۔ کافی دیر ہو گئی۔ اب سورج ڈوبنے کا وقت قریب آ رہا تھا۔ روشنی کم ہو رہی تھی۔ سائے بڑھ رہے تھے۔

اچانک چوہدری کے ذہن میں روشنی کا جھماکا سا ہوا۔ اسے خیال آیا' واحد

صورت یہی ہے کہ چپکے سے اس شخص کی پینٹ کی جیب میں نوٹ ڈال دیئے جائیں۔

کیسے؟ اس کا کوئی جواب اس کے پاس نہیں تھا۔ بس وہ یہی سوچ رہا تھا کہ جیسے جیب کترے دو انگلیوں کی مدد سے جیب خالی کرتے ہیں' وہ اس شخص کے پاس سے گزرتے ہوئے اس کی جیب بھر دے۔

یہ سوچ کر اس نے جیب سے رقم نکالی۔ اس کے پاس تین سو اسی روپے تھے۔ پہلے اس نے سو روپے الگ کیئے پھر سوچا' اس مہنگائی کے زمانے میں سو روپے سے کیا ہوتا ہے۔ دو سو اس شخص کو دے کر بھی اس کے پاس 180 روپے بچیں گے' جو اس کے لئے بہت ہیں۔ چنانچہ اس نے 180 روپے جیب میں رکھے اور سو کے دو نوٹوں کو جیب کتروں کے انداز میں دو انگلیوں کے درمیان دبایا مگر اسے احساس ہوا کہ یوں دو انگلیوں کا کوئی فائدہ نہیں چنانچہ اس نے دونوں نوٹوں کو ملا کر تہ کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ وہ تعویذ نما ہو گئے۔ تب اس نے اس تعویذ کو اپنے داہنے ہاتھ کی انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کے درمیان دبایا پھر اس نے بڑی آہستگی سے دونوں انگلیوں کو اپنی قمیص کی پہلو والی جیب میں داخل کیا۔ اسے اطمینان ہوا کیونکہ کام صفائی سے ہوا تھا۔

اب وہ حرکت کرنے کیلئے تیار تھا۔

اسی لمحے اس شخص کے پاس ایک موٹر سائیکل آ کر رکی۔ سوار نے ہمدردانہ نظروں سے اس شخص کو دیکھا اور بڑے احترام سے پوچھا۔ "آپ کو کہاں جانا ہے صاحب؟"

"مجھے تو بہت دور جانا ہے بھائی۔" اس شخص نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔

"پھر بھی؟"

"نیو کراچی جاؤں گا۔"

"چلیں۔ میں آپ کو یو پی موڑ تک چھوڑ دوں گا۔ بیٹھ جائیں۔"

چوہدری کو لگا کہ نیکی ہاتھ سے نکلی جا رہی ہے۔ دو نوٹوں کا تعویذ اس کی انگلیوں میں دبا ہوا تھا۔ وہ تیزی سے اس شخص کی طرف بڑھا۔ وہ موٹرسائیکل پر بیٹھنے

ہی والا تھا کہ چوہدری نے دونوں انگلیاں اس کی پینٹ کی جیب میں داخل کیں۔ تعویذ کو وہیں چھوڑا اور انگلیاں نکال لیں لیکن اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا کیونکہ وہ یہ کام صفائی سے نہیں کر سکا تھا۔ اس کی انگلیاں جیب کے اندر اس شخص کی رانوں سے ٹکرائی تھیں۔ ہاتھ نکالتے ہوئے بھی ہلکا سا جھٹکا لگا تھا۔

چوہدری کا دم نکل گیا۔ اس نے جیب نہیں کاٹی تھی لیکن حرکت جیب کتروں ہی کی سی تھی۔ اسے لگا کہ ابھی وہ شخص شور مچائے گا۔ "ارے میری جیب---" اور اسے گردن سے پکڑ لے گا۔ اس کے بعد میری مرمت۔ وہ تیزی سے آگے نکلا۔ وہ شخص موٹر سائیکل پر بیٹھ گیا لیکن پلٹ کر دیکھنے کی چوہدری کو ہمت نہیں ہوئی۔ وہ تو ابھی سے اپنی گردن پر اس شخص کی گرفت محسوس کر رہا تھا۔ لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا۔ موٹر سائیکل زن سے آگے نکل گئی۔ وہ شخص پیچھے بیٹھا ہوا تھا اور اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر دیکھا بھی نہیں تھا۔ یہ عجیب بات تھی کیونکہ یہ ممکن نہیں تھا کہ اسے اپنی جیب میں چوہدری کی انگلیوں کی موجودگی کا احساس نہیں ہوا ہو۔

چوہدری دور جاتی موٹر سائیکل کو دیکھتا رہا پھر اسے ایسا لگا جیسے پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص نے اسے پلٹ کر دیکھا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس کا وجود طمانیت سے بھر گیا۔ اس نے سوچا' سیدھی سی بات ہے۔ اگر میری جیب بالکل خالی ہو اور کوئی میری جیب میں ہاتھ ڈالے تو مجھے اس کی پروا نہیں ہو گی بلکہ مجھے ہاتھ ڈالنے والے پر ترس آئے گا۔ مجھے جیب چیک کرنے کی ضرورت نہیں ہو گی۔ ہاں جیب میں پیسے ہوں تو اور بات ہے۔

یعنی اس شخص کی جیب واقعی خالی تھی اور اس کا مطلب تھا کہ وہ نیکی کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔

خوشی کا احساس ہوا تو بھوک اس شدت سے لگی کہ اس کا کلیجا نچنے لگا۔ اس لمحے اس نے بریانی والے ریسٹورنٹ میں پہنچ کر ہی دم لیا۔

○

کھانا کھاتے کھاتے نہ جانے کیسے نیکی سے حاصل ہونے والی خوشی ہوا ہو گئی۔ اصل میں وہ نیکی ہی اس کی نظروں میں مشکوک ہو گئی تھی۔ اس نے سوچا' کون جانے معاملہ یہ نہ ہو۔ اس شخص کی جیب میں پیسے ہوں۔ ایسے میں اس کے دو سو روپوں سے کیا فائدہ ہوا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے ڈالے ہوئے دو سو روپے موٹر سائیکل پر بیٹھتے ہی بیٹھتے اس کی جیب سے گر گئے ہوں تو وہ نیکی تو نہیں شمار ہو گی' اگر وہ شخص اور اس کے بچے رات کو بھوکے ہی سوئیں۔

چنانچہ وہ بے چین ہو گیا۔ نیکی کی طلب پھر پھانس بن کر اس کے دل میں چبھنے لگی۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ نیکی وہ اب تک نہیں کر سکا اور نیکی کئے بغیر وہ گھر واپس جانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ اپنا کام دھندا چھوڑ کر اس مشن پر نکلا تھا۔ کامیابی اس کیلئے بہت ضروری تھی۔

وہ کھانا کھا کر نکلا تو اسے احساس ہوا کہ اب مہلت کم رہ گئی ہے۔ اس نے سگریٹ سلگایا اور چھوٹے چھوٹے کش لیتا اندھا دھند آگے بڑھتا رہا۔ اس کے سامنے کوئی منزل نہیں تھی۔ وہ بس اتنا جانتا تھا کہ ایک نیکی کی خواہش اس کے اندر پوری شدت سے مچل رہی ہے اور دنیا میں ہزاروں لاکھوں ایسے افراد ہوں گے جنہیں مدد کی ضرورت ہو گی۔ اسے کم از کم ایک ایسا فرد ضرور ملے گا' جس کے ساتھ وہ نیکی کر سکے۔

وہ ایمپریس مارکیٹ کے گردونواح میں گھومتا رہا۔ سڑکوں پر زندگی رواں دواں تھی۔ متحرک انسانوں کا ہجوم تھا۔ نیکی اور بدی کے تصور سے آزاد ہر شخص اپنے کام میں مصروف تھا۔

اچانک چوہدری محکوم اللہ کو ایک برقع پوش عورت نظر آئی۔ اس نے شاید

بازار سے اپنے گھر کیلئے مہینے بھر کا راشن خریدا تھا اور وہ گھر لے جانا تھا۔ سامان کافی تھا۔ وہ ہر گزرتے ہوئے رکشا کو رکنے کا اشارہ کرتی لیکن وہ خالی ہونے کے باوجود یوں گزر جاتے جیسے انہوں نے اس عورت کو، نہ اس کے شرے کو دیکھا ہو، نہ اس کی پکار سنی ہو۔

چوہدری اس عورت کے قریب کھڑا ہو گیا۔

پھر ایک رکشے والا ٹھہر ہی گیا۔ "کہاں جانا ہے مائی؟" اس نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"پیر کالونی۔" عورت نے جواب دیا۔

"پچاس روپے ہوں گے۔"

"بھائی یہ تو بہت زیادہ ہیں۔" عورت نے احتجاج کیا۔

کچھ دیر دونوں کے درمیان حجت ہوتی رہی۔ بالآخر چوہدری محکوم اللہ کو مداخلت کرنا ہی پڑی۔ "کیوں زیادتی کرتے ہو؟" اس نے رکشہ ڈرائیور سے کہا۔ "یہاں سے پیر الٰہی بخش کالونی تک بیس روپے بھی مشکل سے بنیں گے۔"

"یہ اتنا سامان بھی تو ہے۔" ڈرائیور نے کہا۔

"تو یہ رکشہ میں ہی جائے گا تم اپنی پیٹھ پر لاد کر تو نہیں لے جاؤ گے۔"

"او بھائی، میں پچاس سے کم میں نہیں جاؤں گا۔" رکشے والا جو عورت سے چالیس پر رضا مند ہو رہا تھا پھر پچاس پر اڑ گیا۔

"تو یہ میٹر کس مرض کی دوا ہے۔" چوہدری نے رکشہ کے میٹر پر ہاتھ مارا۔

"ہاتھ پرے ہٹاؤ یار۔" رکشہ ڈرائیو نے اسے سخت نگاہوں سے دیکھا۔ "اب تو مجھے پیر کالونی جانا ہی نہیں ہے۔"

"کیسے نہیں جاؤ گے۔ تم سڑک پر نکلے ہو۔ رکشہ خالی ہے۔ میٹر موجود ہے تمہیں زیادہ پیسے مانگنے کا کوئی حق نہیں۔" چوہدری بھی برہم ہو گیا۔

رکشے والا کوئی جواب دینے کے بجائے رکشہ آگے بڑھا لے گیا۔

عورت نے چوہدری کو پھاڑ کھانے والی نظروں سے دیکھا، جیسے اس نے کوئی بہت بڑا جرم کیا ہو پھر وہ اپنا سامان اٹھا کر سڑک پار کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

سامان بہرحال بہت زیادہ اور بھاری تھا۔

"لائیے بہن، میں آپ کی مدد کروں۔" چوہدری نے بے حد شائستگی سے کہا لیکن عورت نے کوئی جواب نہ دیا۔ بس خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ انداز۔۔۔ سے لگتا تھا کہ چوہدری نے ایک بار اور پیشکش کی تو وہ شور مچا دے گی۔

اب چوہدری اس طرح کے معاملات میں سمجھ دار اور چوکنا ہو چکا تھا۔ وہ کچھ دیر دیکھتا رہا پھر بے پروائی سے کندھے جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔

نیکی کی طلب میں اب بھی کوئی کمی نہیں ہوئی تھی۔ وہ مزید بھٹکتا رہا پھر اس نے ایک لفنگے نوجوان کو ایک لڑکی کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرتے دیکھا۔ لڑکی بہت پریشان نظر آ رہی تھی۔ چوہدری نے مداخلت کی تو لفنگے نے آنکھیں نکال کر اسے دیکھا۔ "تمہیں کیا تکلیف ہے بزرگو۔ یہ تمہاری بیٹی تو نہیں۔"

"میری بیٹی ہی سمجھو۔ جاتے ہو یا نہیں۔"

"جاؤ بڑے میاں ورنہ میرے ہاتھ سے ضائع ہو جاؤ گے۔" لفنگے نے دھمکی دی۔

چوہدری ایک لمحے کو ڈرا پھر نیکی نے اسے اکسایا۔ اس نے سوچا کہ یہ تو شہادت بھی مل سکتی ہے۔ دوسری طرف اسے یہ احساس بھی ہو گیا کہ لفنگا گیدڑ بھبکی دے رہا ہے ورنہ اس کے لہجے میں کمزوری ہے۔ سو چوہدری نے اپنی قمیص کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ لفنگا گھبرا کر فرار ہو گیا۔

اب چوہدری کو احساس ہوا کہ لڑکی حرکت میں نہیں ہے۔ وہ ایک جگہ کھڑی تھی۔ "بیٹی۔۔۔ چلو میں تمہیں گھر تک چھوڑ دوں۔"

لڑکی یہ سن کر خوف زدہ نظر آنے لگی۔ اس نے کچھ کہا نہیں۔ اس کی خوف زدگی پر چوہدری حیران ہوا۔ تاہم اس نے اپنی بات دہرائی۔

"مجھے کہیں نہیں جانا۔" اس بار لڑکی نے جواب دیا۔

"یہاں کھڑی رہو گی تو تمہیں تنگ کرنے والے آتے رہیں گے۔" چوہدری نے کہا۔

"آنے دو۔ تمہیں کیا۔ میرا کام خراب مت کرو۔"

"چوہدری کی سمجھ میں نہیں آیا کہ لڑکی کا کیا کام ہے' جو وہ خراب کر رہا ہے لیکن لڑکی کے تیور دیکھ کر اس نے وہاں سے کھسکنے میں ہی عافیت جانی۔ وہ جا ہی رہا تھا کہ اس نے لڑکی کو کسی سے کہتے سنا۔ "بڑے میاں نے کام خراب کر دیا۔ اب جانے کتنی دیر انتظار کرنا پڑے گا۔"

"تو ابھی بچی ہے۔" مردانہ آواز سنائی دی۔ "اس جوان کے پاس سے کچھ نکلنے کی امید نہیں تھی۔ اسامی تگڑی دیکھا کر مجھے تو یہ بعد والا ہی بہتر لگ رہا تھا۔"

چوہدری نے پلٹ کر دیکھا۔ لڑکی کے ساتھ ایک مرد کھڑا تھا۔ "تگڑی اسامی کا مجھے کیسے پتہ چلے گا؟" لڑکی نے اٹھلاتے ہوئے کہا۔

"آدمی کے ظاہر سے' اس کے کپڑوں سے کچھ نہیں ہوتا۔" مرد نے ناصحانہ لہجے میں کہا۔ "چال دیکھا کر' چال۔ جیب بھاری ہو تو آدمی کے قدموں میں اعتماد ہوتا ہے۔ اب یہ ٹھیک ہے کہ صحیح وقت پر میں سی آئی اے والا بن کر آ جاؤں لیکن بندے کی جیب میں مال ہی نہ ہو تو فائدہ' اب میں سچ مچ کا سی آئی اے والا تو ہوں نہیں کہ اندر ہی کر دوں سالے کو۔"

چوہدری محکوم اللہ تیزی سے وہاں سے کھسکا۔ جو تصویر وہاں اسے نظر آ رہی تھی۔ وہ بڑی بھیانک تھی۔ دنیا میں کیا کیا ہو رہا ہے۔ کیا کیا ہوتا ہے؟ وہ نہیں جانتا تھا کہ ان دونوں کے درمیان کیا رشتہ ہے یا کوئی رشتہ ہے بھی یا نہیں؟ بہرحال یہ سمجھ میں آ گیا تھا کہ مل کر دھندا کرتے تھے۔ مرد لڑکی کو چارہ بنا کر سڑک پر کھڑا کر دیتا تھا۔ لڑکی کم عمر تھی اور خوبصورت بھی۔ اسے دیکھ کر لوگ للچاتے ہوں گے۔ پھنسانے کے چکر میں خود ہی پھنس جاتے ہوں گے۔ مرد سی آئی اے والا بن کر مداخلت کرتا ہو گا اور جیبیں خالی کرا لیتا ہو گا۔

اچانک چوہدری کو خیال آیا کہ وہ مرد بھی ابھی کچا ہے ورنہ اس کے بارے میں یہ نہ کہتا کہ مجھے تو یہ بعد والا ہی بہتر لگ رہا تھا۔

اس واقعے کے بعد چوہدری کچھ ڈر بھی گیا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ نیکی کی آرزو میں کوئی مصیبت ہی گلے پڑ جائے۔ کل سے اب تک کئی بار ایسا ہو چکا ہے۔

یہ سب اپنی جگہ لیکن نیکی کی طلب میں اب بھی کوئی کمی نہیں ہوئی تھی۔ البتہ

تھکن سے اس کا برا حال ہو گیا تھا۔ اب ساڑھے سات بجے تھے۔ ساڑھے بارہ بجے سے وہ مسلسل بے سمت مارا مارا پھر رہا تھا۔ سات گھنٹے' سات گھنٹے کم نہیں ہوتے۔ اب تو اسے یہ بھی یاد نہیں تھا کہ اس دوران میں وہ کہاں کہاں سے گزرا تھا۔ سات گھنٹے سے ضرورت مندوں کی اس دنیا میں وہ ایک حقیقی ضرورت مند کی تلاش میں بھٹک رہا تھا کہ اس کی مدد کر کے ایک بے غرض اور گمنام نیکی کما سکے لیکن ایسا لگتا تھا کہ یہاں کسی کو کسی سے کسی بھی قسم کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔

اب اس کی نیکی کی خواہش تھکن کے شدید احساس کے بوجھ تلے کراہ رہی تھی۔ اس نے آخری بار قسمت آزمائی کا فیصلہ کر لیا۔ ہ کٹرک روڈ پر چل پڑا۔ اس نے سوچا' یہاں سے جیکب لائن ہوتے ہوئے وہ پرانی نمائش تک جائے گا۔ راستے میں اگر کوئی ضرورت مند مل گیا تو ٹھیک ہے ورنہ وہ نمائش سے بس پکڑ کر سیدھا اپنے گھر کا رخ کرے گا۔

یہ فیصلہ کرنے کے بعد وہ اس چھوٹی سڑک پر چل دیا۔ اس نے سگریٹ کا کش لیا۔ بھرا ہوا پیکٹ اور اس پر شدید تھکن۔ چند گہرے کش لئے تو وہ سرور میں آ گیا۔ اگر آج موقع نہیں ملا تو کوئی بات نہیں۔ زندگی رہی تو کل بھی کوشش کرے گا بلکہ کوشش کرتا رہے گا۔

اب اندھیرا پھیل چکا تھا۔ اسٹریٹ لائٹس کی مدھم روشنی میں سائے لرزتے پھیلتے نظر آ رہے تھے۔ اچانک بجلی کے ایک کھمبے کے نیچے اسے ایک عورت بیٹھی نظر آئی' جس کی گود میں ایک چھوٹا سا بچہ تھا۔ عورت بہت پریشان معلوم ہو رہی تھی۔ لباس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کسی غریب گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کے چہرے پر دکھ کے سائے اتنے گہرے تھے کہ انہیں دیکھ کر چوہدری محکوم اللہ کے دل میں ہمدردی کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا۔

وہ اس کے پاس رک گیا۔ "کیا بات ہے بہن کیا پریشانی ہے تمہیں؟"

"میں کیا کروں بھائی۔ میرے بچے کی طبیعت خراب ہے۔ اسے ہسپتال لے جانا ہے۔ میں نے اپنے بڑے بچے کو رکشہ لانے کیلئے بھیجا تھا۔ بہت دیر ہو گئی' وہ ابھی تک واپس نہیں آیا ہے۔"

"تمہارے گھر میں کوئی اور نہیں؟"

"بس یہ دو بچے ہیں میرے۔"

"اور تمہارا شوہر۔"

"وہ مل میں کام کرتا ہے ابھی کام سے واپس نہیں آیا ہے۔"

"تم رہتی کہاں ہو؟"

"ادھر پیچھے جھونپڑی ہے ہماری۔"

چوہدری کو وہ متوقع نیکی پکے ہوئے پھل کی طرح لگی۔ وہ اسے توڑنے کیلئے بے تاب ہو گیا۔ "مجھے بتاؤ میری بہن میں تمہارے کس کام آ سکتا ہوں؟"

عورت خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ اس کے ہونٹ لرزے لیکن آواز نہیں نکلی۔

"میں رکشہ لا کر دوں تمہیں؟ جانا کہاں ہے؟"

"میں ہسپتال کیسے جا سکتی ہوں۔ میرا دل تو بڑے بچے میں اٹکا رہے گا۔ وہ پتہ نہیں کہاں ہے؟ کوئی اسے اٹھا کر تو نہیں لے گیا۔ کہیں کوئی حادثہ تو نہیں ہو گیا؟"

عورت رونے لگی۔

"روؤ مت میری بہن۔" چوہدری نے اسے چمکارا۔ "اچھا۔۔ میں تمہارے بڑے بچے کو تلاش کروں؟"

"تم تو بھائی اسے پہچانتے بھی نہیں ہو۔ کیسے ڈھونڈو گے۔" عورت نے بے بسی سے کہا۔

"میں کیا کروں۔" چوہدری نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ "تمہارا دکھ مجھ سے دیکھا نہیں جاتا۔"

"ہاں۔۔ ایک صورت ہے۔" عورت نے اسے پرامید نظروں سے دیکھا۔

"تم حکم کرو میری بہن۔"

"تم تھوڑی دیر میرے اس بچے کو سنبھال لو۔ میں اپنے بڑے بچے کو تلاش کرتی ہوں اور میں رکشہ بھی لے آؤں گی۔"

"ٹھیک ہے بہن۔ میں حاضر ہوں۔" چوہدری نے بچے کو گود میں لینے کیلئے ہاتھ

پھیلائے۔

عورت نے کہنے کو کہہ تو دیا لیکن اب وہ دھندلی روشنی میں چوہدری محکوم اللہ کو شک میں لپٹی ہوئی تولنے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر کشمکش کے آثار تھے۔ وہ ڈر رہی تھی کہ کہیں دوسرے بچے کو بھی نہ کھو دے۔

چوہدری نے اس کی الجھن سمجھ لی۔ "تم مجھ پر بھروسہ کر سکتی ہو بہن۔ میں بھی بچوں والا ہوں۔ کبھی یہ وقت میری بیوی پر بھی آ سکتا ہے۔ مجھ پر بھروسہ کرو۔ تم جا کر بڑے بچے کو ڈھونڈ لاؤ۔ اسے میں سنبھال لوں گا۔"

چوہدری کے لہجے میں ایسی سچائی تھی کہ عورت کے شکوک دھل گئے۔ اس نے تشکر آمیز نظروں سے اسے دیکھا اور بچے کو اس کی گود میں دے دیا۔ "اسے لے کر یہیں بیٹھے رہنا میرے بھائی۔ میں ابھی آتی ہوں۔"

چوہدری بچے کو گود میں لے کر اس کھمبے کے نیچے بیٹھ گیا۔ عورت اس طرف چلی گئی جہاں سے چوہدری آیا تھا۔ جاتے جاتے وہ پلٹ کر اسے دیکھتی رہی۔ اس کی ممتا یقیناً اسے اذیت دے رہی تھی۔

اس کے جانے کے بعد چوہدری نے اسٹریٹ لائٹ کی مدھم روشنی میں بچے کا جائزہ لیا۔ بچے کی سانسیں رک رک کر چل رہی تھیں۔ اسے اس حال میں دیکھ کر چوہدری کا دل بھر آیا اور آنکھیں جلنے لگیں۔ اس نے بچے کے رخساروں کو بوسہ دیا اور اس کے کانوں میں اس طرح سرگوشی کی جیسے بچہ اس کی ہر بات سمجھنے کی اہلیت رکھتا ہو۔ "تم یقیناً زندہ رہو گے ننھے بچے۔ تم تو مستقبل ہو۔ مستقبل جسے روشن ہونا چاہئے۔" اس نے بچے کی پیشانی چوم لی۔

تھوڑی دیر گزری تو چوہدری بے چین ہو گیا۔ اس نے کبھی اپنے کسی بچے کو بھی گود میں نہیں لیا تھا اور پھر اس طرح گود میں لے کر زمین پر بیٹھنا۔ تھکن سے اس کا ویسے ہی برا حال تھا۔ یوں بیٹھے بیٹھے اسے لگا کہ اس کا جسم پتھر کا ہو جائے گا۔

ادھر بچہ کسمسایا۔ اچانک چوہدری کو احساس ہوا کہ وہ اندر تک اپنے کپڑوں کے نیچے تک کسی گرم گرم مائع سے بھیگتا جا رہا ہے۔ یہ سمجھنے میں اسے ذرا دیر لگی کہ مستقبل نے اس پر پیشاب کر دیا ہے۔ اتنی دیر میں شاید بھیگنے کی وجہ سے بچے نے

رونا بھی شروع کر دیا تھا لیکن اس کی آواز بہت کمزور تھی۔

چوہدری اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے اپنے چار بچے تھے لیکن یہ پیشاب والی واردات اس کے لئے بالکل نئی تھی۔ اس کا جی چاہا کہ بچے کو کھمبے کی جڑ میں رکھے اور بھاگ کھڑا ہو۔ جلدی سے جا کر نہا لے لیکن پھر اسے خیال آیا کہ وہ اس وقت ایک نیکی کر رہا ہے۔ ایسی نیکی جو ابتدا میں آسان لگتی ہے مگر اب بے حد دشوار ثابت ہو رہی ہے۔ چنانچہ وہ اسی عالم میں بچے کو لے کر ٹہلتا رہا۔ حلق سے عجیب عجیب آوازیں نکال کر بچے کو چپ کرانے کی کوشش کرتا رہا۔

وہ نیکی اس کی دانست میں دشوار ثابت ہو رہی تھی لیکن وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ یہ نیکی کتنی زیادہ دشوار ثابت ہونے والی ہے۔ وہ تو بس عورت کی واپسی کی دعائیں مانگتے جا رہا تھا۔

ٹہلتے ہوئے اس کا رخ اب اس طرف تھا' جدھر عورت اپنے بڑے بچے کی تلاش میں گئی تھی۔ اچانک اس کی پشت کی طرف سے بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو ایک گلی سے چند سائے لپکتے نظر آئے۔

"وہ رہا۔" کسی نے چیخ کر کہا۔

چوہدری کا جی چاہا کہ بھاگ کھڑا ہو لیکن اس کے پاؤں من من بھر کے ہو گئے تھے۔ اس سے اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں گیا۔ اس کی سمجھ میں یہ تو آ گیا کہ اس پر کوئی افتاد آنے والی ہے لیکن افتاد کی نوعیت کا اسے علم نہیں تھا۔

○

فضل حسین نمائش کی اندر والی سڑک پر دکان کرتا تھا۔ گھر اس کا اندر لائنز ایریا میں تھا۔ اس وقت دکان پر گاہکوں کا ہجوم تھا۔ اچانک ایک لڑکا ہانپتا ہوا آیا۔

"فضل چچا۔۔۔ فضل چچا۔۔۔ چاچی نے کہلوایا ہے کہ عمران کی طبیعت خراب ہے۔" لڑکے نے بتایا۔

فضل پریشان ہو گیا۔ عمران اس کا اکلوتا لڑکا تھا۔ ابھی ایک سال کا بھی نہیں ہوا تھا۔ پریشانی کی بات یہ تھی کہ اس کی بیوی کی طبیعت پہلے ہی بہت خراب تھی۔ دوپہر کو وہ گھر گیا تھا تو سعیدہ بخار میں پھنک رہی تھی۔ وہ اسے دوا دے آیا تھا اور تاکید بھی کر دی تھی کہ دوا وقت پر لیتی رہے۔ عمران اس وقت ٹھیک ٹھاک تھا۔

فضل نے جلدی جلدی گاہکوں کو سودا دیا پھر بھی پندرہ منٹ لگ گئے۔ اس نے جلدی جلدی دکان بند کی اور گھر کی طرف لپکا۔ اس کے بس میں ہوتا تو وہ اڑ کر گھر پہنچ جاتا۔ گھر پہنچا تو اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ اس کی بیوی بخار میں بے سدھ پڑی تھی اور بچہ موجود نہیں تھا۔

اس نے بیوی کو جھنجھوڑ ڈالا۔ "سعیدہ۔۔۔ عمران کہاں ہے؟"

"مجھے۔۔۔ نہیں معلوم۔۔۔ یہیں ہو گا۔" سعیدہ ہوش میں نہیں تھی۔

"یہاں کوئی آیا تھا۔"

"نہیں' کوئی نہیں۔"

فضل پھر باہر آیا۔ سعیدہ بے ہوش تھی اور یہ طے تھا کہ بچے کو کوئی اٹھا کر لے گیا ہو گا۔ وہ پریشان تھا۔ اس نے محلے کے چار پانچ آدمی اکٹھا کئے۔ انہوں نے ادھر ادھر پوچھا کسی مشکوک آدمی کے متعلق۔ ایک لڑکے نے بتایا کہ ایک آدمی کسی بچے کو لے کر اس طرف جا رہا تھا۔

وہ سب اس طرف دوڑے۔ دور تک کوئی نہیں تھا پھر وہ گلی سے نکلے۔ سامنے کٹرک روڈ تھا۔ اچانک انہیں وہ شخص نظر آیا۔ وہ ایک بچے کو کندھے سے لگائے آگے کی طرف جا رہا تھا۔ اسے دیکھ کر فضل کے ایک ساتھی نے نعرہ لگایا۔ ”وہ رہا۔۔“ اور وہ سب اس پر جھپٹے۔

بچے کو لے جانے والے نے پلٹ کر دیکھا اور اپنی جگہ جم کر رہ گیا۔

○

اگلے ہی لمحے چھ آدمی چوہدری محکوم اللہ کے سر پر سوار تھے۔ ایک نے آتے ہی بچہ اس سے چھین لیا۔ ”ارے یہ تو بہت گرم ہو رہا ہے۔ بہت بخار ہے۔“ اس نے کہا۔

”تم اسے ڈاکٹر کے پاس لے جاؤ فضل بھائی۔“ کسی نے کہا۔ ”اس بردہ فروش سے ہم نمٹ لیں گے۔“

”کک۔۔ کیا۔۔ بات ہے۔“ چوہدری ہکلایا۔

جس نے بچہ اس سے چھینا تھا، وہ گلی کی طرف واپس جا رہا تھا۔

”پوچھتا ہے، کیا بات ہے۔“ جھپٹنے والوں میں سے ایک نے کہا۔ ”ابھی بتاتے ہیں۔“

اس کے ساتھ ہی چوہدری کی مرمت شروع ہو گئی۔ چوہدری کا ذہن اور جسم دونوں شل ہو گئے۔ وہ ہاتھ پاؤں بھی نہ ہلا سکا۔ اس کی مرمت ہوتی رہی اور وہ خاموشی سے پٹتا رہا پھر مارنے والوں میں سے ایک نے کہا۔ ”اب بس کرو۔ کچھ پولیس کیلئے بھی چھوڑ دو۔“

”ہاں، یہ ٹھیک ہے۔ اب اسے تھانے لے چلو۔“ دوسرا بولا۔

پولیس کے نام پر چوہدری بھڑک گیا۔ اب یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ پولیس کو بھگتتا۔ چنانچہ اس نے جھٹکا مار کر خود کو ان کی گرفت سے چھڑایا اور بھاگ کھڑا ہوا۔ وہ اتنی سعادت مندی سے پٹتا رہا تھا کہ مارنے والوں کو اس کے اس طرح بھاگ لینے کی امید بھی نہیں تھی۔ ان کے سنبھلتے سنبھلتے وہ خاصا دور نکل گیا تھا پھر بھی وہ تینوں

اس کے پیچھے بھاگے۔

چوہدری محکوم اللہ اندھا دھند بھاگ رہا تھا۔ پتہ نہیں، وہ کتنی اندھی گلیوں سے گزرا۔ پتہ نہیں وہ کتنی دیر بھاگا۔ اس کا دماغ سنسنا رہا تھا۔ عقب سے بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز معدوم ہونے پر وہ سکون کا سانس لینا ہی چاہتا تھا کہ اس کے پیچھے کتے لگ گئے۔ ایک کتے کے دانتوں کی زد میں آکر اس کی شلوار گھٹنوں کے نیچے سے پھٹ گئی۔ شکر یہ ہوا کہ دانت گوشت میں نہیں لگے۔ ورنہ چودہ انجکشن کی مصیبت اور گلے پڑتی۔

بالآخر کتوں سے بھی جان چھوٹی تو وہ ٹھہر گیا۔ اس وقت وہ ایک گلی کے وسط میں تھا اور اس کی سانس اکھڑ رہی تھی۔ اس کا جی چاہا کہ وہیں رک کر سانسیں درست کرے لیکن وہ خوف زدہ تھا۔ اس میں رکنے کی ہمت نہیں تھی۔ غضب خدا کا۔ کتنی خوفناک مصیبت میں پھنسا تھا وہ۔

وہ ہانپتا کانپتا اس گلی سے نکلا تو ایک اور مصیبت اس کی منتظر تھی۔

وہ وہیں آ پہنچا تھا جہاں سے جان چھڑا کر بھاگا تھا۔ یہ سب تاریک گلیوں کی کارستانی تھی۔ وہاں وہ لوگ تو موجود نہیں تھے جنہوں نے اسے مارا تھا لیکن چھ سات دوسرے مرد وہاں موجود تھے اور وہ عورت کھڑی بری طرح رو رہی تھی جو اپنا بچہ اسے سونپ کر گئی تھی۔ اس کے ساتھ دس گیارہ سال کا ایک لڑکا بھی تھا۔

پے در پے نازل ہونے والی مصیبتوں نے چوہدری محکوم اللہ کے ہوش اڑا دیئے تھے۔ اس کے جسم کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا اور سانس سینے میں نہیں سما رہی تھی۔

”یہی ہے وہ آدمی۔“ عورت اسے دیکھتے ہی ہذیانی انداز میں چلائی۔

چوہدری محکوم اللہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکا۔ اس بار وہ زیادہ جارح افراد کے نرغے میں پھنسا تھا۔ حسب سابق اس کی مرمت شروع ہو گئی۔ وہ لوگ بھی اسے بردہ فروش کہہ کر پکار رہے تھے۔

”اس سے پوچھو، میرا بچہ کہاں ہے۔“ عورت چیخے جا رہی تھی۔

مارنے والے چوہدری سے بچے کے متعلق پوچھ رہے تھے لیکن چوہدری کو بولنے کا کوئی موقع نہیں دے رہے تھے۔ اس کا چہرہ لہولہان تھا اور مرمت جاری تھی۔

اب اس کی حالت ایسی تھی کہ وہ پولیس کا نعرہ سن کر بھی نہیں بھاگ سکتا تھا۔ خدا جانے وہ ایک لمحہ تھا یا صدی۔ اسے بہرحال ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ وہ زمانوں سے یونہی پٹے جا رہا ہے۔

اسے ہوش اس وقت آیا جب مارنے والوں کے ہاتھ رکے۔ تب اس نے حیرت سے دیکھا جو شخص بچے کو لے کر بھاگا تھا' وہ عورت کو بچہ دکھاتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ "کیا یہ تمہارا بچہ ہے؟"

"ہاں۔۔ ہاں۔۔" عورت نے بے تابی سے بچے کو گود میں لے لیا اور اسے بار بار چومنے لگی۔

چوہدری جھوم رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

○

فضل بچے کو لے کر ڈاکٹر یاسر کے کلینک پر پہنچا۔ اسی وقت اس کی پڑوسن زہرہ باجی ایک بچے کو گود میں لئے ڈسپنسری سے نکل رہی تھی۔ اس نے فضل کو دیکھا تو حیرت سے کہا۔ "تم کس کے بچے کو لائے ہو فضل؟"

"میرا عمران ہے۔ اس کی طبیعت بہت خراب ہے۔"

"عمران! عمران تو میرے پاس ہے۔ میں نے اس کیلئے دوا لی ہے۔"

تب فضل نے پہلی بار اپنی گود کے بچے کو دیکھا۔ وہ اس کا عمران نہیں تھا اور عمران زہرہ باجی کی گود میں تھا۔ "یہ سب کیا ہے باجی؟"

"میں تمہارے گھر گئی تھی۔ سعیدہ پر تو غفلت طاری تھی اور عمران بخار میں پھنک رہا تھا۔ میں اسے یہاں لے آئی۔"

"یہ تو بہت برا ہوا۔ بڑی زیادتی ہو گئی۔" فضل بڑبڑایا۔

زہرہ باجی نے اسے یوں دیکھا' جیسے اس کا دماغ چل گیا ہو۔ "کیا برا ہوا' یہ کہ میں نے عمران کو ڈاکٹر کو دکھا دیا۔" اس نے کڑے لہجے میں کہا۔

"نہیں' یہ بات نہیں باجی۔ اس بے چارے کی بلاوجہ مرمت ہو گئی۔"

"کس بچارے کی؟ کیا کہہ رہے ہو تم؟"

"بعد میں بتاؤں گا۔ پہلے اسے ڈاکٹر کو دکھا دوں۔" فضل نے اپنی گود والے بچے کی طرف اشارہ کیا۔ "آپ عمران کو گھر لے جائیں اور ذرا سعیدہ کو بھی دیکھ لیں۔"

فضل نے بچے کو ڈاکٹر کو دکھایا' اس کے لئے دوا لی اور اسی طرف چل پڑا۔ جہاں سے وہ بچہ ملا تھا۔ وہاں پہنچ کر وہ حیران رہ گیا۔ اس بے چارے کی پھر مرمت ہو رہی تھی۔ بس مارنے والوں کے چہرے مختلف تھے۔

○

وہ سب چوہدری محکوم اللہ سے معذرت کر رہے تھے۔

"اتنا پٹنے کے بعد تمہاری معذرت میرے کس کام کی؟" چوہدری نے بھنا کر کہا۔

"آپ خود سوچیں' اس میں کسی کی کیا غلطی ہے؟" فضل بولا۔ "آپ میری جگہ ہوتے تو کیا کرتے۔"

"میں تمہاری جگہ نہیں' اپنی جگہ تھا اور میں صرف نیکی کرنا چاہتا تھا۔"

چوہدری روہانسا ہو گیا۔

"معاف کر دو میرے بھائی۔ اللہ تمہیں اجر دے گا۔" بچے کی ماں نے بڑی لجاجت سے کہا۔

اللہ کے نام پر چوہدری کا دل موم ہو گیا۔ "اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں بہن۔"

ادھر فضل نے بچے کی ماں کو دوا کی شیشی دی۔ "ڈاکٹر نے کہا ہے' رات تو گزر جائے گی۔ صبح بچے کو ہسپتال ضرور لے جانا۔"

"شکریہ بھائی' تمہاری مہربانی۔"

چوہدری محکوم اللہ وہاں سے چل دیا۔ نمائش جاتے ہوئے وہ سوچتا رہا۔ ایک دن میں وہ تین بار پٹ چکا تھا اور اس کی اتنی مرمت ہوئی تھی کہ ساری زندگی میں مل ملا کر بھی وہ اتنا نہیں پٹا تھا۔ اس کے ذہن میں' اس کی زبان پر وہ سینکڑوں گالیاں مچل

رہی تھیں' جو ابا کے خوف سے وہ زبان پر نہیں لا سکا تھا۔

پھر اسے خیال آیا کہ اس آخری معاملے کا بہرحال ایک مثبت پہلو ہے۔ وہ یہ کہ بیمار بچے کو بروقت دوا مل گئی۔ یعنی ضائع ہونے والے وقت کی تلافی ہو گئی۔ اب اس نے یہ بھی سوچا کہ جب بچے کی ماں اپنے بچے کو لے کر واپس آئی ہو گی اور اسے وہاں نہیں نظر آیا ہو گا تو اس کا کیا حال ہوا ہو گا۔ اس کا دل پگھلنے لگا۔ اس عورت کی وہ اذیت اس کی اپنی تکلیف سے یقیناً کہیں بڑھ کر تھی۔ جو اسے پٹنے سے پہنچی تھی۔

چوہدری کا نیکی کی آرزو سے معمور دل فوراً ہی صاف ہو گیا۔ لیکن نمائش پہنچ کر جب اس نے اپنی جیب پر ہاتھ مارا تو اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ اس کی جیب صاف ہو چکی تھی۔ دو روپے والے دو سکے تک موجود نہیں تھے۔

اب کسی نے اس مار پیٹ کے دوران میں اس کی جیب پر ہاتھ صاف کیا تھا یا بھگدڑ میں پیسے اس کی جیب سے گر گئے تھے' یہ وہ نہیں کہہ سکتا تھا اور اس سے فرق بھی کیا پڑتا تھا۔ نتیجہ تو ایک ہی تھا۔ اسے اب گھر تک پیدل ہی جانا تھا۔ نمائش سے گلبرگ۔"

○

وہ کڑھتا رہا۔ اس کا جسم فریادیں کرتا رہا اور وہ پیدل چلتا رہا۔ وہ گلبرگ پہنچا تو رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ نیکی کا تصور بھی اس کے ذہن سے اوجھل ہو چکا تھا۔ اس کے برعکس وہ غصے اور جھنجلاہٹ میں مبتلا تھا۔ وہ اس خوفناک دن کی سزا کسی کو دینا چاہتا تھا۔

وہ اس گلی میں داخل ہوا' جس میں اس کا مکان تھا۔ اپنے گھر کے سامنے لال دین کے مکان اور مرغی خانے کو دیکھ کر وہ نفرت سے پاگل ہو گیا۔ اس مرغی خانے کی بدبو نے اسے عاجز کر دیا تھا۔ بدبو تو شاید دوسروں کو بھی آتی ہو گی لیکن بولتا اس کے سوا کوئی نہیں تھا۔ لال دین کے اثر و رسوخ سے سب خائف تھے۔ چوہدری کی تمام کوششیں رائیگاں ثابت ہوئی تھیں۔ غیر قانونی ہونے کے باوجود وہ مرغی خانہ وہیں کا

وہیں تھا۔

اس وقت لال دین کے گھر میں تاریکی تھی۔ چوہدری کو یاد آیا کہ جب صبح وہ گھر سے نکل رہا تھا تو لال دین اپنے بڑے بیٹے سے آخری شو میں فلم دیکھنے کی بات کر رہا تھا۔ وہ سب لوگ فلم دیکھنے گئے ہوں گے۔

تھکے ہوئے اور مشتعل چوہدری محکوم اللہ نے سوچا کہ وہ دن بھر سرتوڑ کوشش کے باوجود کوئی نیکی نہ کر سکا تو آخر میں ایک بدی ہی کرتا چلے۔ شاید اس میں ہی کامیابی مل جائے۔ اس وقت اسے کامیابی کی شدید ضرورت تھی۔

چنانچہ چوہدری نے دیوار پھلانگی اور لال دین کے گھر میں داخل ہو گیا۔ لال دین کا مرغی خانہ بہت بڑا تھا اور وہ پورے کا پورا لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ مرغی خانے کے دروازے بند تھے۔ مرغیاں سو رہی تھیں۔ وہاں موجود مرغیوں کی تعداد بلاشبہ ہزاروں میں تھی۔

چوہدری نے ادھر ادھر سے بہت سے کاغذ اکٹھا کئے اور انہیں مرغی خانے کی جالی دار دیواروں سے ملا دیا پھر اس نے جیب سے ماچس نکالی اور کاغذوں کو دیا سلائی دکھا دی۔ کاغذ آگ پکڑنے لگے۔ ذرا دیر میں اسے اطمینان ہو گیا کہ اب آگ یقیناً لگے گی تب وہ دیوار پھاند کر باہر آ گیا۔

رحمت نے اس کی دستک پر دروازہ کھولا اور اسے دیکھ کر پریشان ہو گئی۔ چوہدری محکوم اللہ کی حالت بہت تباہ تھی۔ وہ سوال کرتی رہی لیکن نڈھال چوہدری بات کرنے کے قابل بھی نہیں تھا۔ وہ خاموشی سے جا کر بستر پر ڈھے گیا۔ وہ اسے نہ سن سکا۔ ساری رات وہ بخار میں پھنکتا رہا۔ رحمت اس کی پیشانی پر ٹھنڈے پانی میں بھیگی ہوئی پٹیاں رکھتی رہی۔ وہ ہذیانی کیفیت میں نہ جانے کیا کیا بکتا رہا۔

○

وہ بہت جیتا جاگتا خواب دیکھ رہا تھا۔ وہی بزرگ اس کے سامنے تھے جنہیں اس نے گزشتہ رات دیکھا تھا۔ وہ آئے' اس کے پاس بیٹھ گئے اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر سہلانے لگے۔ "بہت تھک گئے ہو؟" انہوں نے کہا۔

"میں خود سے بیزار ہوں۔ مرجانا چاہتا ہوں۔"

"ایسی بری باتیں نہیں کرتے۔ تکلیف کیا ہے تمہیں؟"

"تف ہے اس زندگی پر' میں سرتوڑ کوشش کے باوجود ایک نیکی بھی نہیں کر پایا۔" چوہدری نے کہا پھر بزرگ پر آنکھیں نکالیں۔ "اور آپ کیوں آئے ہیں میرے پاس۔ آپ تو نیک آدمی ہیں۔ جب کہ میں بہت گنہگار ہوں۔"

بزرگ مسکرائے۔ "میں تمہیں مبارکباد دینے آیا ہوں۔"

چوہدری آپے سے باہر ہوگیا۔ "کس بات کی مبارکباد؟ نیکی کی راہ میں مسلسل پٹنے کی مبارکباد۔" وہ چلایا۔

"تم چاہو تو یہی سمجھ لو۔" بزرگ اب بھی مسکرا رہے تھے۔ "مگر سچ یہ ہے کہ اتنے کم وقت میں تم نے اتنی بہت سی نیکیاں کیں کہ کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہیں۔ تمہیں اس عنایت پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔"

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ میں نے جو کوشش کی نیکی کے لئے' وہ الٹ گئی' ناکام ہو گئی۔"

"دیکھو۔۔ نیت کا حال صرف اللہ جانتا ہے۔ تمہاری نیت بھی اس پر ظاہر تھی۔ اب ظاہر میں جو بھی ہو اور دنیا والے جو بھی سمجھیں' میں تمہیں یہ خوشخبری دینے آیا ہوں کہ اللہ نے تمہاری ہر نیکی قبول فرمائی۔ بس افسوس اس بات کا ہے کہ تم توفیق کا معاملہ نہیں سمجھ سکے۔ اس لئے نیکی تمہارے لئے مشکل ہو گئی مگر اللہ کی

رحیمی دیکھو' اس کے باوجود اس نے تمہاری ہر نیکی قبول کر لی۔ بڑا اجر کما لیا ہے تم نے۔"

"مگر میں تو کچھ بھی نہیں کر سکا۔"

"اس عجز نے تمہاری نیکیوں کا مرتبہ اور بڑھا دیا۔" بزرگ نے کہا۔ "شاید تم اپنی دانست میں کامیاب ہوتے تو اپنی نیکیوں پر غرور کرتے اور نیکی کا مرتبہ کم ہو جاتا۔ شاید رب نے تم پر یہ کرم فرمایا کہ تمہیں اپنی نیکیاں ناکام لگیں اور اس کے نتیجے میں تم ضرر سے بچ گئے۔ ویسے تم نے اللہ کے حکم پر عمل کرنے کی کوشش کی۔ تم نے حق بات کہی۔ سچی گواہی دی۔ اللہ کے بندوں کی خدمت کی۔ ان کے کام آنے کی کوشش کی۔ ان کے دکھ درد محسوس کئے' ان کیلئے اچھا سوچا۔ اللہ نے سب کچھ قبول فرما لیا مگر تمہاری وہ نیکی سب سے خوبصورت تھی' جو تم نے ایک ضرورت مند کی جیب میں رقم ڈال کر خاموشی سے کی۔ وہ اللہ کو بہت پسند آئی۔"

چوہدری کھل اٹھا۔ "مجھے تو اس پر یقین ہی نہیں تھا کہ میں نے نیکی کی ہے۔"

"اسی سے اس کی خوبصورتی بڑھ گئی۔ تمہیں بھی یقینی طور پر علم نہیں تھا کہ وہ نیکی ہے۔ اس کا صلہ۔۔ انشاء اللہ بہت بڑا ہو گا۔ یہ بھی اس کا صلہ ہے کہ اللہ نے تمہاری بدی کو بھی خوش انجام کر دیا۔ اب تمہیں بدی کا بھی اچھا اجر ملے گا۔"

بزرگ غائب ہو گئے اور چوہدری کراہتا رہا۔

صبح رحمت کے جھنجوڑنے پر چوہدری کی آنکھ کھلی۔ اس کی فجر پھر قضا ہو چکی تھی۔ وہ اس پر افسوس کر رہا تھا کہ بیوی نے دھماکہ کیا۔ "وہ حشمت آیا ہے۔ دروازے پر کھڑا ہے۔ میں نے تمہاری طبیعت خراب کا بتا کر اسے ٹالنے کی کوشش کی لیکن وہ کہتا ہے کہ تم سے ملے بغیر نہیں جائے گا۔"

چوہدری نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن اس سے اٹھا نہیں گیا۔ "تم مت اٹھو۔ اب طبیعت کیسی ہے تمہاری۔"

چوہدری کے منہ کا ذائقہ کڑوا ہو رہا تھا۔ "مجھے کیا ہوا؟"

رات بھر بخار رہا ہے تمہیں۔ بڑبڑاتے رہے۔ لیٹے رہو۔" رحمت نے بڑی محبت سے کہا۔

"لیکن حشمت۔"

"میں اسے اندر بلا لیتی ہوں۔ ویسے بھی باہر اس سے بات کرنا ٹھیک نہیں۔ وہ چیخے چلائے گا تو محلے میں بدنامی ہو گی۔"

چوہدری سہم گیا۔ اب دیکھو' کیا افتاد آتی ہے۔

رحمت چلی گئی۔ چند لمحے بعد حشمت کمرے میں داخل ہوا۔ رحمت نے اس کیلئے کرسی لا کر رکھ دی۔ وہ چوہدری کے پاس بیٹھ گیا۔ "کیسی طبیعت ہے چوہدری صاحب؟"

چوہدری کو گمان ہوا کہ وہ طنزیہ کہہ رہا ہے۔ "رحمت کہتی ہے' مجھے رات بھر بخار رہا ہے۔" اس نے عاجزی سے کہا۔

"وہ تو دیکھنے سے ہی پتہ چل رہا ہے۔" حشمت نے کہا۔

"تم نے کیسے تکلیف کی حشمت؟"

حشمت ہچکچا رہا تھا۔ کبھی نظریں اٹھاتا' کبھی جھکا لیتا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا چوہدری صاحب کہ کیا کہوں۔"

"بات کیا ہے۔" چوہدری کو الجھن ہونے لگی۔ "جو ہونا ہے' فوراً ہی ہو جائے۔"

حشمت اب بھی ہچکچا رہا تھا پھر اس نے ہاتھ بڑھایا' اور چوہدری کے پاؤں پکڑ لئے۔ "مجھے معاف کر دو چوہدری صاحب۔"

چوہدری طاقت نہ ہونے کے باوجود اضطراری طور پر اٹھ بیٹھا۔ "ارے ارے۔۔ کیا کرتے ہو۔" اس نے پاؤں چھڑانے کی کوشش کی۔

"بس آپ مجھے معاف کر دیں۔"

"بات کیا ہے حشمت؟"

"میں نے آپ کو غلط سمجھا۔ آپ کو برا بھلا کہا۔۔ اپنی مکار بیوی کے بہکاوے میں آ کر۔ اب مجھے یاد آیا کہ آپ نے کوئی تہمت نہیں لگائی تھی۔ آپ نے جو دیکھا

تھا۔۔ اور جو کچھ آپ کو بتایا گیا تھا' اس کے مطابق بات کی نہیں تھی بلکہ اب میں سمجھا ہوں کہ آپ نے تو وہ بات سمجھی بھی نہیں تھی' جو ہم نے سمجھ لی۔ آپ تو میری عیادت' میری مزاج پرسی کرنا چاہتے تھے۔ آپ خدا کے لئے مجھے معاف کر دیں۔" حشمت اب رونے لگا۔

چوہدری کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ "بات کیا ہے؟ میں اب بھی نہیں سمجھا۔"

"آپ بہت سادہ اور معصوم آدمی ہیں چوہدری صاحب۔ آج میں نے کام سے چھٹی کر لی اور اپنی بیوی کو نہیں بتایا۔ میں ادھر ادھر گھوم کر وقت گزاری کرتا رہا پھر دو بجے میں دیوار پھاند کر اپنے گھر میں گھسا تو میں نے دیکھا کہ افضل وہاں موجود تھا اور۔۔" حشمت نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپایا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

چوہدری نے ہاتھ بڑھایا اور اس کے سر پر رکھ دیا۔ "اللہ تمہیں سکون دے حشمت۔"

"بس آپ مجھے معاف کر دیں چوہدری صاحب۔" وہ گڑگڑایا۔

"ٹھیک ہے حشمت۔ اگرچہ میرے دل میں تمہارے لئے کوئی شکایت نہیں تھی پھر بھی تمہاری خوشی اور سکون کیلئے میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔" چوہدری نے کہا۔ "لیکن ہو سکے تو میری ایک بات مان لو۔"

حشمت نے سر اٹھا کر احترام آمیز نظروں سے دیکھا۔ "حکم کریں چوہدری صاحب۔"

"دیکھو' آدمی کو اللہ نے بہت کمزور بنایا ہے اور وہ غفور الرحیم ہے۔ اسے بندوں میں درگزر کی خوبی بہت اچھی لگتی ہے۔ سو بندوں کے ساتھ درگزر کرنا اسے بہت پسند ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اپنی بیوی کو معاف کر دو اور اسے ایک اور موقع دو۔ اللہ تمہیں اس کا بڑا اجر دے گا اور اگر وہ سدھر گئی تو اور زیادہ اجر ملے گا تمہیں۔"

حشمت نے چوہدری کا ہاتھ تھاما اور اسے چومنے لگا۔ "جو آپ کا حکم چوہدری صاحب۔ میں نے تو سوچا تھا کہ آج اس کا فیصلہ کر دوں گا لیکن آپ کی خاطر میں

اسے معاف کر رہا ہوں۔ اب اسے جا کر بتاؤں گا کہ جس پر اس نے اتنا رکیک الزام لگایا تھا' اس کی خاطر اسے معاف کر رہا ہوں اور چوہدری صاحب' وہ بھی معافی مانگنے آئے گی آپ کے پاس۔ میں خود اسے لے کر آؤں گا۔"

چوہدری گھبرا گیا۔ "ایسا نہ کرنا' اسے بتا دینا کہ میں نے بھی اسے معاف کر دیا ہے۔ مجھے اس سے کوئی شکایت نہیں۔"

حشمت کے جانے کے بعد رحمت کمرے میں آئی اور روتے ہوئے بولی۔ "خدا کے واسطے' مجھے بھی معاف کر دو۔"

"کیوں' تم نے کیا کیا ہے؟"

"میں نے تمہیں برا بھلا کہا۔ فجر کی نماز کو منع کیا اور دل میں تمہیں بہت برا سمجھا۔ تم تو بہت اچھے ہو جی۔"

"مگر مجھے تو برا نہیں لگا۔"

"پر اس دن سے تمہاری فجر قضا ہو رہی ہے۔"

چوہدری ہنسنے لگا۔ "وہ تو میری اپنی بدقسمتی ہے۔ روز تھک کر سو رہا ہوں۔ آنکھ ہی نہیں کھلتی۔"

"بس تم مجھے معاف کر دو۔"

"چلو' تمہیں بھی معاف کیا۔"

"اور سنو۔۔۔ رات تو یہاں بہت ہنگامہ ہوا۔" رحمت نے اچانک کہا۔

"کیا ہوا؟"

"رات کسی نے لال دین کے مرغی خانے کو آگ لگا دی۔"

چوہدری کے دل میں کئی دن کے بعد سچی خوشی کی ایک زبردست لہر اٹھی۔ "اچھا۔۔۔ تو ساری مرغیاں روسٹ ہو گئی ہوں گی۔" اس نے بظاہر بڑی تشویش سے کہا حالانکہ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ قہقہے لگائے۔

"نہیں جی' بس چند ایک مرغیاں جل مریں۔" رحمت نے کہا۔ "دراصل محلے والوں نے بہت تیزی سے آگ بجھا دی تھی لال دین تو بیوی بچوں کے ساتھ رات کا شو دیکھنے کیلئے گیا ہوا تھا۔"

"اچھا' تو تقریباً ساری مرغیاں بچ گئیں۔" چوہدری نے مرے مرے لہجے میں کہا۔

"ہاں' لیکن آگ جلانے والے نے بڑی نیکی کی۔"

چوہدری نیکی کے نام پر بھڑک اٹھا۔ اس کے زخم ہرے ہو گئے تھے۔ "کیا مطلب؟"

"جس وقت آگ لگائی گئی' لال دین کے گھر میں ایک چور گھسا ہوا تھا۔" رحمت چٹخارے لے کر بتا رہی تھی۔ "آگ لگنے سے سارا محلّہ جمع ہو گیا تھا۔ چور تین لاکھ روپے نقد اور دس بارہ لاکھ کے زیورات لے کر نکلنے والا تھا کہ اسے پکڑ لیا گیا۔ لال دین بہت بڑے نقصان سے بچ گیا۔ مرغی خانے میں آگ نہ لگتی تو چور مال لے کر نکل گیا ہوتا۔ اچھا سنو' میں تمہارے لئے لوٹا لاتی ہوں۔ تم کلی کرو اور منہ دھو لو۔ میں نے تمہارے لئے دلیا بنایا ہے۔" رحمت یہ کہہ کر کمرے سے نکل گئی۔

چوہدری کے چہرے پر جھنجلاہٹ تھی۔ وہ کڑھ رہا تھا۔ نفرت اور ناکامی کی آگ میں جل رہا تھا مگر اگلے ہی لمحے اس کے چہرے کے عضلات نرم پڑ گئے۔ اسے اپنا خواب یاد آیا اور جو بات وہ خواب میں بھی نہیں سمجھ سکا تھا' اس کی سمجھ میں آ گئی۔ اللہ کی مہربانی سے اسکی بدی خوش انجام ہو گئی تھی اور اسے خوشخبری دی گئی تھی کہ اس کا بھی بڑا اجر ملے گا۔

اب چوہدری محکوم اللہ کے چہرے پر بچوں کی سی معصومیت تھی۔

اس کے دل میں ندامت کی ایک لہر اٹھی۔ وہ نیکی کا خواہش مند' اپنے پڑوسی کو مالی نقصان پہنچانا چاہتا تھا۔ ایسا ہو جاتا تو وہ تو مومن ہی نہ رہتا۔ وہ مومن تو نہیں ہوتا جس کے ہاتھوں اس کے پڑوسی کو نقصان پہنچے۔ لال دین اپنی جانے لیکن اسے تو یہ زیب نہیں دیتا۔ اس بار تو اللہ نے اسے بچا لیا۔

وہ شرمندہ ہوا پھر اس کے وجود میں ندامت کی ایک تند لہر اٹھی۔ پہلے اس کی آنکھیں بھیگیں' پھر پورا وجود بھیگ گیا۔ اس نے اپنا چہرہ چھت کی طرف کیا اور گڑگڑا کر بولا۔ "میرے معبود' میری غلطی کو درگزر فرما۔ میرے مالک' میں شرمندہ ہوں۔" پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ آنسو تھمے تو اسے احساس ہوا کہ جیسے اس کے وجود میں

بکھری ہوئی تمام آلائشیں دھل گئیں ہیں۔ اب وہ پاک ہے۔
پھر اسے ایک بات کا خیال آیا۔ "میں تیرا شکر گزار ہوں اے رحیم و کریم۔" اس نے عاجزی سے سر جھکاتے ہوئے کہا۔ "تو نے مجھے توفیق سے اور وسائل سے نوازا اور میں شرمندہ ہوں میرے رب کہ میں بقدر توفیق نیکی نہ کر سکا۔ کائنات کے سب خزانے تیرے لئے ہیں اے میرے رب تو ہی سب کچھ دینے والا ہے۔ میرے آقا' مجھے ایسی نیکیوں کی توفیق عطا فرما' جن سے تیرے سوا سب بے خبر رہیں۔ میں خود بھی بے خبر رہوں۔" پھر اس نے تکیئے سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔
رحمت' لوٹا اور تسلا لے کر کمرے میں آئی تو چوہدری محکوم اللہ کے چہرے پر بکھرے ہوئے رنگ دیکھ کر حیران رہ گئی۔
وہ بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔

☆☆☆